چڑیاں
سلطانہ آصف فیضی

چڑیاں

ترقی اردو بورڈ کی کتاب

چڑیاں

سلطانہ آصف فیضی

نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا
نئی دلّی

جولائی ۱۹۷۳ (پوسا ۱۸۹۴)

پہلا ایڈیشن

ORIGINAL TITLE: CHIRYAN

قیمت -/۳

تقسیم کار:
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
نئی دہلی ۲۵، دہلی ۶، بمبئی ۳، علی گڑھ ۲

ڈائرکٹر نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا A-5 گرین پارک نئی دہلی 16 نے
ترقی اردو بورڈ (مرکزی وزارت تعلیم حکومت ہند) کے لیے
لبرٹی آرٹ پریس (پرو پرائٹرز: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ)
دریا گنج دہلی میں چھپوا کر شایع کیا

پیش لفظ

حکومت ہند نے اردو زبان میں کتابیں تیار اور شایع کرنے کے لیے ترقی اردو بورڈ قائم کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یونیورسٹیوں، علمی انجمنوں، مصنفوں، مترجموں، استادوں اور ناشروں کے اشتراک و تعاون سے اردو میں سائنس کی کتابیں، بچوں کی ضرورت اور دلچسپی کی کتابیں اور یونیورسٹی کی کتابیں لکھوائی اور شایع کی جائیں اور ان موضوعات پر دوسری زبانوں کی مستند کتابوں کے ترجمے شایع کیے جائیں۔ اس اسکیم کے تحت چھ سو سے زائد کتابیں تصنیف و تالیف کے مختلف مراحل میں ہیں۔

زیر نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو منسٹری آف ایجوکیشن اینڈ سوشل ویلفیر کے اہتمام میں نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا کی وساطت سے شایع ہو رہی ہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ یہ کتاب طالب علموں اُستادوں اور اُن تمام حلقوں میں پسند کی جائے گی جنھیں ایک قومی زبان کی حیثیت سے اردو کے فروغ اور ترقی میں دلچسپی ہے۔

(نورالحسن)
وزیر تعلیم، حکومت ہند

شاہ بلبل ، دودھراج

Paradise Flycatcher

ابواب

کبوتر
Blue Rock Pigeon

چڑیا کسے کہتے ہیں

چڑیا کسے کہتے ہیں! اسی کو جو کسی ٹہنی سے چپکے سے گانے لگتی ہے اور آپ کو نظر نہیں آتی۔ پھر کسی کی آہٹ سے یا آواز سے گھبرا کر پھُر سے اڑجاتی ہے۔ اور اس کے پروں کے رنگ اور پرواز کی خوبصورتی آپ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ مگر اس کو چہکتے دیکھ کر اور اس کو ٹہنیوں پر پھُدکتے دیکھ کر کون خوش نہ ہوگا۔ ہے تو اتنی سی جان مگر اس کے بغیر ہمارے باغ، کھیت اور جھیلوں کے کنارے بے رنگ اور سنسان ہوجائیں گے۔

پرندوں کے ماہر کہتے ہیں کہ چڑیا بھی دو پاؤں کی گرم خون والی جاندار ہے جس کے دادا، پرداد لاکھوں کڑوڑوں برس پہلے رینگنے والے جاندار اور سانپ ہوں گے۔ آج اس بات کو یقین کرنا مشکل ہے کہ یہ خوبصورت نازک چہچہانے والے پرندے سانپ کی یا رینگنے والے جانوروں کی نسل سے ہوں گے۔ مگر لاکھوں برس پرانا ایک ڈھانچہ ملا ہے جو آج کی چڑیا سے مشابہت رکھتا ہے۔ اس پر غور کرنے سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ چڑیا کس ڈھانچہ سے پیدا ہوئی ہے۔ اس کی کھوپڑی ریڑھ کی ہڈی سے جڑی ہوئی ہے۔ اور اس کے خون میں جو اجزا ہیں ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ رینگنے والے جانوروں کی نسل سے نکلی ہے۔ اور ارتقاء کے زینے طے کرتی ہوئی اب ایک خوبصورت ہستی بن گئی ہے۔ سانپ کی طرح چڑیا کے بھی انڈے ہوتے ہیں۔ اور بہت سی چڑیوں کے انڈے آج بھی سانپ کے انڈوں کی طرح بالکل سفید ہوتے
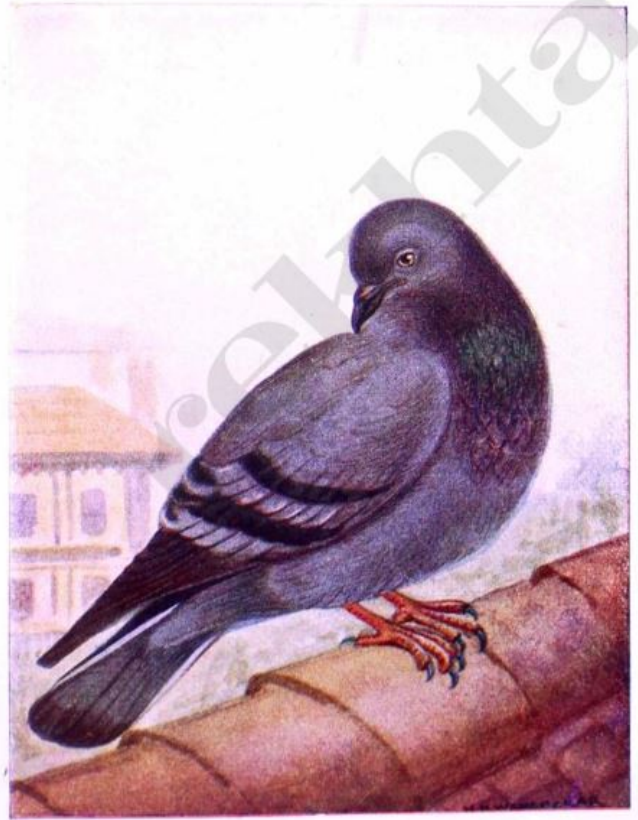
ہیں۔ تیسری بات ثبوت میں یہ کہی جا سکتی ہے کہ اب بھی بہت سی چڑیوں کے پاؤں اور پنجوں پر سانپ کی ایسی چتیاں پائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ سانپ ہر سال اپنی کینچلی اتار پھینکتا ہے۔ اسی طرح چڑیوں کے پر بھی ہر سال جھڑ جاتے ہیں۔ اور اس کی جگہ نئے پر نکل آتے ہیں۔ اور اُلو کے پاؤں پر تو چھوٹے پر ہوتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ کینچلی ارتقا، کی ایک منزل پر پہنچ کر پر کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ کچھ چڑیاں ایسی ہیں جن کی چونچ پر سے ہر سال ایک غلاف جھڑ جاتا ہے۔ ویسے ہی جیسے سانپ کی کینچلی اتر جاتی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہر سال چڑیوں کے پروں کا جھڑنا اور سانپ کی کینچلی کا جھڑنا مشابہت رکھتا ہے۔ غرض کہ عقلی طور پر قبول کرنا ہی پڑتا ہے کہ چڑیا سانپ کی نسل سے ارتقا کرتی ہوئی ایک خوب صورت پرندہ بن گئی ہے۔ مگر جو بھی جاندار اُڑ سکتا ہے وہ پرندہ نہیں کہلاتا اور نہ وہ اس برادری کا سمجھا جاتا ہے۔ جیسے مکھی، مچھر اور دوسرے کیڑے جو ہوا میں اُڑتے ہیں۔ حالاں کہ ان کے بھی چھوٹے چھوٹے پر ہوتے ہیں مگر وہ پرندہ نہیں کہلاتے۔ البتہ چند چڑیاں ایسی ہیں جو اب کسی وجہ سے ہوا میں اڑنا بھول چکی ہیں۔ مگر پھر بھی چڑیوں کے قبیلے میں شمار کی جاتی ہیں۔ جیسے شترمرغ اور پینگوئن (جو ایک برفیلے علاقے میں بسنے والی چڑیا ہے۔)

جانوروں کی دنیا میں چڑیا کا درجہ تیسرا سمجھا جاتا ہے۔ وہ زمین پر رینگنے والے سب جانوروں سے اونچے درجے کی ہے۔ اور چرندوں اور چوپایوں سے ایک درجہ کم ہے۔ کیوں کہ وہ انڈے دیتی ہے اور اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتی۔ اس کے سوا اس کے ہونٹ یا دانت بھی نہیں ہوتے، صرف چونچ ہوتی ہے۔ اس کے خون کا درجۂ حرارت ۱۰۴ سے ۱۱۰ ڈگری تک رہتا ہے جو بہت سے چوپایوں سے زیادہ ہے۔ اس کے سوا اس کے پر ہوتے ہیں جن میں نہ گرمی سرایت کرتی ہے اور سردی۔ اس لیے چڑیا پر نہ کڑاکے کی سردی کا کوئی اثر ہوتا ہے اور نہ شدت کی گرمی کا۔ نہ وہ سردی سے ڈرتی ہے اور نہ گرمی سے۔ اتر کے ملکوں میں برف باری میں بھی رہ سکتی ہے بشرطیکہ اس جگہ پیٹ بھر دانہ پانی میسّر ہو اور وہ پیٹ بھر کے دانہ چگ سکے جس سے اس کے خون کی حرارت قائم رہے ورنہ چڑیا وہاں سے رخصت ہو جاتی ہے۔ چڑیا کے اعضا میں دانہ کھا کے ہضم کرنے کی قوت بہت ہوتی ہے اور اُس کے ہاضمہ میں خون بن جانے کی طاقت سرعت سے کام کرتی ہے۔ جو چوپایوں سے زیادہ سرعت سے ہوتی ہے۔ ان کے جسم

میں پسینہ کے غدود نہیں ہوتے۔ وہ حدّت و گرمی جو چڑیا کی متواتر حرکت اور اڑان سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے لیے اس کے چھوٹے سے جسم میں یہ انتظام ہے کہ یہ حدت بھاپ بن کے اس کی ہوائی تھیلی سے باہر نکل جاتی ہے۔ یہ ننھی سی ہوائی تھیلیاں اس کے جسم میں جابجا ہوتی ہیں جن کا کام ہی یہ ہے کہ بدن کی گرمی کو کم کرتی رہیں، اور حدّت کو اندر ہی اندر پسینہ بنا کے پھر بھاپ بنا کے اڑا دیں۔

اس طرح ہوا میں پرواز کرنے کا ہنر کسی جاندار میں نہیں ہے۔ شترمرغ کے لیے اب جدید تحقیق سے پتہ لگا ہے کہ وہ اڑنا کسی زمانے میں نہیں جانتا تھا۔ البتہ Panguin کے پر کام نہ لینے کی وجہ سے بے کار ہو گئے۔ اور اسی وجہ سے ہماری پالی ہوئی مرغیوں اور بطخوں کے پر بھی بے کار ہو کر رہ گئے۔ حالاں کہ ان کے قبیلے کے جنگلی مرغ اور بطخ اب بھی بڑی سرعت سے اُڑتی رہتی ہیں۔

چڑیا کے پر مضبوط، ہلکے پھلکے اور تننے اور سکڑنے میں کمال کے درجے کے بنے ہوئے ہیں۔ اس کے پر کی باریک، پتلی ہڈیاں اس طرح بنی ہوئی ہیں کہ وہ انھیں جب چاہتی ہے کھول لیتی ہے اور پھر ایک جاپانی پنکھے کی طرح بند کر لیتی ہے۔ ان میں ایک لچکدار پٹھا لگا ہوا ہے جو کھولنے بند کرنے میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ اور اس سے اُڑان کے وقت میں پر چوڑا کرنے یا بند کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ یہ پر جسم سے اس طرح جوڑے گئے ہیں کہ چڑیاں آسانی سے اپنا جسم ہوا میں اٹھا لیتی ہیں۔ اس کے سینے کے ہڈی بہت مضبوط ہوتی ہے۔ اور کندھوں کے رگ پٹھے بھی مضبوط ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی بہت ہلکے پھلکے بھی ہوتے ہیں۔ جسم کی بہت سی ہڈیاں اندر سے کھوکھلی ہوتی ہیں۔ جس وقت چڑیاں اڑنا چاہتی ہیں اس وقت چھوٹی ہڈیاں کھوکھلی موٹی ہڈیوں میں گھس جاتی ہیں۔ یہ مضبوطی کے ساتھ وزن میں ہلکی ہوتی ہے اور چڑیا اپنا جسم ہوا میں اُڑا لیتی ہے بلکہ جتنی دیر اس کا دل چاہے اڑتی رہتی ہے اور ہوا پر تیرتی رہتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کوئی تیراک تیر رہا ہے۔ چڑیا اڑنے والی ایک مکمل مشین ہے۔ شاید اسی کو دیکھ کر اور اسی کے اڑنے کے اصول پر انسان نے ایروپلین ایجاد کیا ہے۔ چڑیا کی دم اس کے لیے ایک بریک ہے اور ہوا میں گھوم جانے کا امکان بھی اور اس کا توازن بھی قائم رکھتی ہے۔ جب زمین پر اُترنا چاہتی ہے تو اپنے پتلے جسم کو پہلے سامنے جھکا کے پروں کو زور زور سے مارنے لگتی ہے اور دُم کو پھیلا دیتی ہے۔

بیا تیزی سے اُڑتی ہوئی اپنے گھونسلے میں سیدھی گھس جاتی ہے۔ جو درخت کی ٹہنی پر لٹکا ہوا جھولتا رہتا ہے۔ اسی طرح سے معمولی چیل کسی مرے ہوئے چوہے کو سڑک پر پڑا ہوا دیکھ کر جب تیزی سے نیچے اترتی ہے تو بجلی کے تاروں سے اپنے آپ کو بچاتی ہوئی سیدھی چوہے پر گرتی ہے۔

چڑیا کے ماہر اس کے پر اور اڑنے کا انداز دیکھ کر اسے زمین پر سے ہی پہچان جاتے ہیں۔ اسی طرح اس کے پنجے اور چونچ دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں کہ اس کی غذا کیا ہے۔ جس کے چھوٹے اور گولائی لیے ہوئے پر ہوتے ہیں اس کی اڑان کمزور ہے جیسے اُلو کی۔ بڑے نوکیلے پر جس کے ہوتے ہیں اس کی اڑان مضبوط ہوتی ہے اور بہت اونچا بھی اڑ سکتا ہے۔ جیسے کبوتر اور باز وغیرہ اور وہ بہت سی چڑیاں جو دور دراز کے ملکوں سے ہجرت کرکے آجاتی ہیں۔

مختلف چڑیوں کے پنجے بھی الگ الگ قسم کے ہوتے ہیں۔ جیسے بطخ اور ہنس کے پیروں میں جھلی ہوتی ہے۔ اس لیے وہ تیر کے ہی اپنی غذا حاصل کرتے ہیں۔ باز، شکرہ کے پنجے کے آگے خم دار ناخن ہوتے ہیں۔ اور اُن کی مدد سے وہ اپنے شکار کو پکڑ کر چیر ڈالتا ہے۔ کٹھ پھوڑے کے پنجے ایسے ہیں جن سے اس کو درخت پر چڑھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

چڑیا کے پر تین قسم کے ہوتے ہیں۔ سب سے اوپر کے پر ذرا سخت ہوتے ہیں۔ اُن سخت پروں کے اندر نرم و نازک ریشم جیسے پروں کی تہہ ہوتی ہے وہ چڑیا کو سردی گرمی اور پانی کے اثر سے محفوظ رکھتے ہیں۔ رات کو سونے سے پہلے چڑیا اپنے اندر کے نرم و نازک پروں کو پھُلا کر ان میں اپنا سر چھپا کر سو جاتی ہے تو سردی سے ویسے ہی محفوظ ہو جاتی ہے جیسے ہم لحاف میں دبک کر آرام سے سو جاتے ہیں۔ اس کے پروں کی تیسری تہہ روؤں کی ایسی مہین ہوتی ہے جو اسی وقت نظر آ سکتی ہے جب اس کے پَر بالکل نوچ لیے جاتے ہیں۔ وہ اپنے ان خوب صورت اور قیمتی پروں کی دیکھ بھال ایسے کرتی ہے جیسے ایک جوان عورت اپنے بالوں کی حفاظت کرتی ہے۔ چڑیا بھی روزانہ نہاتی ہے۔ بالوں میں کنگھی کرتی ہے۔ انھیں دھوپ میں سکھاتی ہے اور چونچ سے ان میں تیل لگاتی ہے۔

جہاں بھی کہیں گڑھے میں پانی بھرا ہو یا نہر بہتی ہو چڑیا بڑی خوشی سے اس میں غسل کرنے کے لیے اتر آئے گی۔ وہ تھمے ہوئے پانی کو بہتے ہوئے پانی پر ترجیح دے گی۔ پھر اس میں بیٹھ کر سر پانی میں ڈال کر جھٹ پٹ جھٹ پٹ باہر نکالتی جائے گی اور اسے جھٹک جھٹک کر اپنے پروں کو بھی

گیلا کرے گی۔ بلکہ پر کھول کر بھی پانی میں غوطہ لگانا شروع کر دے گی۔ نہانے کے بعد دھوپ میں پر کھول کر سکھلاتی ہے۔ اور چونچ سے ایک ایک چپکے ہوئے پر کو الگ کرتی ہے۔ اس کی دُم کے اوپر پروں کے نیچے ایک غدود ہوتا ہے جس کو چڑیا چونچ سے جب دباتی ہے تو اس میں سے کچھ تیل سا نکلتا ہے۔ وہ اس کو چونچ سے لے کر ایک ایک پر سے گھستی ہے۔ گویا اپنی پٹیاں جما رہی ہو۔ چڑیا کے ماہروں کو اس کا سبب نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ ایسا کیوں کرتی ہے۔ غالباً اس تیل سے اس کے پر چمک دار اور نرم رہتے ہیں یا یہ سجاوٹ کا طریقہ ہوگا۔

ابھی تو بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کا سبب انسان کی عقل پہچان نہ سکی۔ چڑیا کی آنکھ کی بینائی اور کان سے سننے کی طاقت حد درجہ تیز ہے۔ مگر زبان کا مزہ نہ ہونے کے برابر ہے اور سونگھنے کی حس بالکل غائب ہے۔ آنکھ کی بینائی اتنی تیز ہوتی ہے کہ اسے دور سے ایک باریک چیز بھی آسانی سے نظر آجاتی ہے اور نزدیک کی بھی۔ پرندوں کا ایک عالم لکھتا ہے کہ پرندے کی آنکھ دوربین بھی ہے اور خوردبین بھی۔ وہ میلوں دور دیکھتے ہوئے آناً فاناً اپنی آنکھ گھما کر اسے خوردبین بھی بنا سکتی ہے۔ باز کی آنکھ اس قدر تیز ہوتی ہے کہ وہ آسمان پر اڑتے ہوئے تین سو فٹ نیچے سڑک پر پڑے ہوئے چوہے کو تاک لیتا ہے۔ اور اس پر تیر کی طرح گرتا ہے۔ اسی طرح ڈالی پر بیٹھ کر چھوٹی سی چڑیا زمین پر رینگتے ہوئے کیڑے کو دیکھ لیتی ہے اور چونچ میں جھٹ اٹھا یہ جا وہ جا۔

پرندوں کی اپنی ایک بولی بھی ہوتی ہے جن میں وہ لفظوں کے بدلنے اور اتار چڑھاؤ سے اپنے جذبات کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ اور اسی کے ذریعے وہ اپنی خوشی، ڈر اور محبت کا اظہار بھی اپنی آواز سے کرتے ہیں۔ کوئی آواز ایسی ہے کہ نہ صرف اُس ذات کا پرندہ سمجھ جاتا ہے بلکہ برادری کے دوسرے پرندے بھی پہچان لیتے ہیں کہ اس آواز کا مطلب کیا ہے۔ مثلاً ڈر کی آواز کہ چڑیا کسی شکاری یا دشمن کو آتا ہوا دیکھ کر بے اختیار چیخنا شروع کر دیتی ہے۔ یہ ایک ایسا سگنل ہوتا ہے کہ جسے سن کر تمام چھوٹے بڑے پرندے رفوچکر ہو جاتے ہیں۔ یہ آواز اپنے پرائے سب مظلوموں کو چوکنا کرنے کے لیے کی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے اپنے بچاؤ کا سامان کریں۔ اسی طرح کسی شکرے کو دور سے آتا ہوا دیکھ کر تمام چڑیاں شور مچا کر اڑ جاتی ہیں تو اپنے گھونسلے میں انڈے سینے والے ماں باپ بھی چوکنا ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ حالاں کہ شکرے کے حملے سے اپنے انڈے یا بچوں کو کسی طرح نہیں بچا سکتے ہیں پھر بھی اپنی

چونچوں سے مار مار کر بھگانے کی کوشش ضرور کرتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ سوائے چند پرندوں کے دوسروں میں عقل اور سمجھ نہیں پائی جاتی۔ پرندا اپنے لیے ویسا ہی گھونسلہ بناتا ہے جیسا کہ اس کے باپ دادا بناتے رہے ہیں۔ یہ محض اس کی سرشت یا جبلی عادت ہے جسے وہ ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے۔ انڈوں کو سینا، ان کی حفاظت کرنا، ساتھ مل کر بچوں کو کھانا کھلانا۔ ان کے لیے دوسرے پرندوں سے لڑنا، شور مچانا، جان پر کھیل جانا یہ سب اس کے لیے ایک وجدانی یا جبلی کیفیت ہے۔ جس کو وہ ایسی وفاداری اور محبت سے ادا کرتا ہے جیسے اس سے قبل اس کے ماں باپ نے کیا تھا۔ پرندہ دشمن کی نگاہ سے اپنا گھونسلہ بچا کر رکھنا چاہتا ہے۔ قدرت اُسے یہ چالاکی سکھلاتی ہے کہ وہ ایسی جگہ اپنے انڈے رکھے جہاں اطراف کی مٹی، گھاس پات کا رنگ انڈوں کے رنگ سے مل جائیں۔ ایک چڑیا جس کا نام ٹٹوری LAPWING ہے، وہ اپنے انڈے ایک جھاڑی کے قریب گھاس پھوس جمع کرکے رکھ دیتی ہے۔ انڈوں، جھاڑی، گھاس سب کا رنگ ایسا گھل مل جاتا ہے کہ جب تک آپ بالکل قریب نہ پہنچ جائیں آپ کو انڈے نظر ہی نہ آئیں گے۔

جب انڈے دینے کا زمانہ آتا ہے تو پرندے بغیر کسی منصوبے کے اپنے لیے گھونسلہ بنا ڈالتے ہیں۔ اور کتنی ہی مختلف قسم کے گھونسلے ہوتے ہیں جو بڑی ہنرمندی سے بنائے جاتے ہیں۔ کوئی تو چند تنکے رکھ کے کسی جھاڑی کے نیچے گھاس پھوس جمع کرکے اپنے انڈے رکھ دیتے ہیں تو کوئی چونچ سے ایک ایک تنکا پرو کر گھونسلہ تیار کرتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو کسی بہت اونچے درخت کی پھننگ پر اپنا گھونسلہ بناتے ہیں۔ تو کوئی کسی عمارت کی شکستہ دیوار پر۔ اسی لیے ہر پرندے کو مختلف کاموں کے لیے الگ الگ چونچ اور پنجے دیے گئے ہیں جو ان کے بچاؤ کے لیے بھی مددگار ہوتے ہیں۔ انڈوں کے بھی بہت سے دشمن ہوتے ہیں۔ جیسے سانپ، گرگٹ، گھونس، گلہری بلکہ انسان بھی۔ بہت سے انسان بھی چڑیوں کے انڈے کھا جاتے ہیں۔ اس کے سوا بڑی چڑیاں ہیں جو چھوٹی چڑیوں کے انڈے کھا جاتی ہیں۔ جیسے کہ کوّے، بگلے اس بات میں بڑے چور مانے جاتے ہیں۔

اسی لیے بہت سی قسم کی چڑیاں ایسی ہوتی ہیں جو سب ساتھ مل کر گھونسلہ بناتی ہیں۔ اسی میں گھونسلوں کی سلامتی سمجھی جاتی ہے۔ کوے، کبوتر، بگلے اور بیا ایک دوسرے

کے قریب گھونسلے بناتے ہیں۔ اگر دشمن آجائے تو سب ساتھ مل کر شور مچاتے ہیں اور دشمن کو بھگا دیتے ہیں۔ بطخ اور ہنس کے پنجوں پر جھلی ہوتی ہے۔ وہ پانی پر تیر کر اپنا شکار کرتے ہیں۔ شکرہ اور باز کے پنجے سامنے سے خنجر کی طرح تیز اور خم دار ہوتے ہیں۔ کیوں کہ یہ اپنا شکار چیر پھاڑ کر کھاتے ہیں۔ ایک چڑیا کے پنجے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ان کی مدد سے درخت کے تنے سے چپک کے اپنی تیز اور نوک دار چونچ سے تنے کی لکڑی کو ٹھوک ٹھوک کر اس کے اندر سے کیڑے چن چن کے کھاتی ہے۔ جیسے کہ کٹ پھوڑیا (WOOD PECKER)

شکر خورہ اور پھول چکھی (FLOWER PECKER) کی چونچیں سامنے سے مڑی ہوتی ہیں۔ جن سے وہ پھولوں میں اپنی چونچ ڈال کے اس کا رس چوس لیتے ہیں۔ اسی طرح وہ پرندے جو دریا کے کنارے کھیت کی منڈیر پر گھوم کے اپنی خوراک کی تلاش میں پھرتے ہیں، اُن کی چونچیں خوب لانبی اور پتلی ہوتی ہیں جنھیں وہ گیلی مٹی، ریت یا کیچڑ میں گھسا کر چونچ سے معلوم کر لیتے ہیں کہ اس میں ان کا لقمہ ہے یا نہیں۔ چیل اور شاہین کے خم دار چھوٹی سی چونچ ہوتی ہے جس سے وہ اپنا شکار فوراً چیر ڈالتی ہیں۔ (GREY HERON) بود کی لمبی چونچ ہوتی ہے جس سے وہ پانی میں بڑھتی ہوئی مچھلی کو چبھو کے کھا جاتی ہے۔ چھوٹی سی مڑی چونچ جیسے گوریا کی اس کو اناج چگنے یا اس کو چھوڑنے میں مدد ملتی ہے۔ ایک بطخ جس کو PELICON کہتے ہیں، اس کی چونچ بڑی ہوتی ہے اور پوری چونچ میں کچھ دانت سے نکلے ہوتے ہیں وہ اتھلے پانی میں سے کھرچ کے اپنا کھانا اٹھاتی ہے۔ پانی کھلی چونچ سے بہہ کر نکل جاتا ہے تب اپنی غذا کھاتی ہے۔

چڑیا کی عمر کتنی ہے اس کا اندازہ مشکل ہے۔ یہ ہوا کے پنچھی آج یہاں ہیں تو کل نہ جانے کہاں۔ ان کو اپنی جان دشمن سے بچانے کے لیے ہر وقت چوکنا اور ہوشیار رہنا پڑتا ہے۔ اپنی چھوٹی سی زندگی میں اُن کو طوفانوں سے اور موسم کی نازک مزاجی سے اور رقیبوں سے مقابلہ رہتا ہے اور اُن کی دنیا میں مضبوط اور طاقت ور کی ہی جیت ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا اندازہ مشکل ہے کہ چڑیا کی عمر کتنی ہو سکتی ہے۔

البتہ ان آفتوں سے محفوظ یا قید رکھے جانے والے پرندوں کی عمر کا اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایک بڑے طاقت ور پرند کی عمر دوسرے چھوٹے پرند کی عمر سے زیادہ ہوتی ہے۔ پلے ہوئے محفوظ شتر مرغ کی عمر ۴۰ سال جنگلی کوے کی عمر پچاس سال ہوتی ہے۔

مگر اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے کہ گدھ اگر آزاد ہے تو کس عمر کو پہنچتا ہے۔ اب چڑیوں کے ماہر اسے گھونسلہ ہیں ہی المونیم کی چوڑی پہنا دیتے ہیں۔ اس چوڑی پر اس کی پیدائش کی تاریخ اور وطن کا نام ہوتا ہے۔ اور جب وہ کسی دوسری جگہ پر یا وطن سے دور مرا پایا جاتا ہے تو وہاں کے ماہر اس کے وطن کے ماہرین کو لکھ بھیجتے ہیں۔ بہت سے ترقی یافتہ ملکوں میں یہ فن ترقی پر ہے۔

ہمارے ملک میں یہ علم ابھی کچا ہے۔ ماں باپ کو چاہیے بچوں کو بچپن سے اس کا شوق دلاتے رہیں تاکہ پرندوں کی دنیا کا مطالعہ ہمارے ملک میں بھی آگے بڑھے۔

چڑیوں سے کیا فائدے پہنچتے ہیں

ایک پرندوں کے عالم می شلے (M. Michilet) کا خیال ہے کہ چڑیا تو انسان کے بغیر اپنی زندگی گزارے گی۔ مگر انسان چڑیا کے بغیر نہیں جی سکتا۔ اس لیے کہ اگر ہر سال یہ چڑیاں ہمارے باغوں اور کھیتوں سے ہزاروں کیڑے مکوڑے، ٹڈی اور چوہے کھا کر اُن کا صفایا نہ کرتی رہیں تو اُن کی فوج اس قدر بڑھ جائے گی کہ انسان کا اس زمین پر رہنا اور جینا مشکل ہو جائے گا۔

ہم کو معلوم ہے کہ پرندے ہر سال کھیتوں کا اناج اور باغوں کے پھل غارت کر ڈالتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی اس نقصان کے مقابلے میں وہ یہ کام بہت اچھا انجام دیتے رہتے ہیں کہ کیڑے مکوڑے، ٹڈی چوہے کھا کر بہت سا اناج، پھل، درخت، پھول ہمارے لیے محفوظ رکھنے میں مددگار ہوتے ہیں۔

اگر پرندے دن رات کیڑے مکوڑے نہ کھاتے رہیں تو اُن کا لشکر ایک بے شمار طریقے سے بڑھ جائے گا۔ اور وہ پیڑ کا ہر پتّہ، گھاس کا ہر تنکا کھا کر ہماری زمین کو صحرا بنا دیں گے۔ سالم علی صاحب جو پرندوں کے علم کے ماہر ہیں اپنی کتاب[1] Indian Birds میں لکھتے ہیں کہ تیس ہزار قسم کے کیڑے مکوڑوں کا پتا اب تک ہندوستان میں ملا ہے۔ اور ایک امریکن عالم لکھتا ہے کہ ایک خاص کیڑے کا جوڑا جو آلو کھا کر جیتا ہے ایک موسم

[1] سالم علی "انڈین برڈز" صفحہ ۱۳۲ پانچواں ایڈیشن

میں اپنی ذات کے ساٹھ لاکھ کیڑے پیدا کر لیتا ہے۔ ایسے ہی بہت سی قسم کے کیڑے جو گھاس اور پتوں پر بیٹھے رہتے ہیں ایک سال میں ان کی بارہ نسلیں پیدا ہو جاتی ہیں جن کی گنتی لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے۔ ہر کیڑا مکوڑا اپنے جسم کے وزن سے ۲۴ گنی زیادہ خوراک چاٹ جاتا ہے۔ ایسے ہی ٹڈیوں کی فوج ہے۔ جب وہ کسی کھیت پر حملہ آور ہوتی ہے تو آدھ گھنٹے میں لہلہاتے ہوئے اناج کی بالیاں برباد کر دیتی ہے اس کے بعد ہر ٹڈی ایک دو لمبی تھیلیاں زمین کے اندر چھوڑ کے چلی جاتی ہے اور ہر تھیلی سے سو سو انڈے نکلتے ہیں۔ بعد میں سب ٹڈے بن جاتے ہیں۔ ایک دفعہ جنوبی افریقہ کا ایک تین ہزار ایکڑ کا فارم جب کھودا گیا تو اس میں سے چودہ ٹن ٹڈیوں کے انڈے نکلے۔ جب یہ پھوٹتے ہیں تو اس میں سے کتنی ٹڈیاں نکلتی ہیں اس کا اندازہ آپ خود کر لیں۔

چڑیاں ان لاکھوں کیڑوں کا صفایا نہ کرتی رہیں تو یہ کیڑے ہمارے ملک کی سبزی، ہریالی اور اناج کا صفایا کر کے ہمارے ملک کو صحرا بنا دیں۔ چڑیا کی معمولی غذا ہی کیڑے کوڑے ہیں۔ اور خصوصاً وہ کیڑے جو انسان کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں۔ کئی قسم کی چڑیاں نہ صرف ٹڈوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اڑنے سے پہلے ہی دبوچ کر کھا لیتی ہیں بلکہ زمین میں کھرچ کھرچ ان کے انڈے تک چٹ کر جاتی ہیں۔

سفید سارس ٹڈیوں کا شکار کرنے میں مشہور ہے۔ وہ اور اس کے بچے اسی پر جیتے ہیں۔ چڑیوں کے بچے اکثر بارش کے زمانے میں انڈوں سے باہر نکلتے ہیں۔ اور ان کو ان کے ماں باپ صبح سے شام تک کیڑے لا لا کے کھلاتے رہتے ہیں۔ کسی نے خاص توجہ سے دیکھا کہ ایک چھوٹی چڑیا دن بھر میں ۳۷۰ دفعہ لا لا کے اپنے بچوں کو کیڑے کھلاتی ہے۔ جن میں ہرے ٹڈے، ٹڈیاں کیڑے مکوڑے اور کملے بھی شامل تھے۔ ایک جرمن پرندوں کے ماہر نے لکھا ہے کہ ایک چڑیا کا جوڑا اور اس کے بچے سال بھر میں ڈیڑھ لاکھ کیڑے، کملے اور ان کے انڈوں کا صفایا کر ڈالتے ہیں۔ پھر یہی نہیں کہ چڑیاں اپنے بچوں کو کیڑے کھلا کھلا کے موٹا تازہ بناتی ہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ خود بھی کھاتی رہتی ہیں۔ ابابیل تو ہوا میں اڑتے اڑتے کیڑے چٹ کر جاتی ہے۔ اس طرح سبزہ، گھاس، درخت سب کی سلامتی کے لیے پرندے بڑے کار آمد ہیں۔ وہ پرندہ جو کٹ پھوڑیا WOOD PECKER کہلاتا ہے اپنی چونچ سے پیڑ کے تنے پر ہتھوڑی کی طرح ٹھوک ٹھوک کے اس کی کھال

کے اندر سے کیڑے چاٹ جاتا ہے۔

ان پرندوں کے علاوہ وہ شکاری پرندے جو گوشت خور ہوتے ہیں مثلاً گدھ، چیل، باز شکرہ، کوا وغیرہ جو اس لیے بدنام ہیں کہ گاؤں سے مرغیاں، بطخیں اور ان کے انڈے اُٹھا لے جاتے ہیں وہ ان کے سوا چوہوں، گھونسوں کو کھا کے ان کی خوراک گھٹا دیتے ہیں۔ ان کو تو گاؤں یا محلوں کا حلال خور کہنا چاہیے۔ کیوں کہ کوئی گندی سڑی چڑیا مردہ جانور ہو تو اسے تھوڑی سی دیر میں کھا کے صفایا کر دیتے ہیں۔ جس سے ہوا اور فضا صاف ہو جاتی ہیں۔ ورنہ دیہات یا کسی سنسان سڑک پر مردہ جانور کے سڑنے سے بہت سی بیماریاں پیدا ہو سکتی ہیں اور ہوا خراب ہو جاتی ہے۔ اور بیماریاں پھیلتی ہیں۔

ادھر باز، گدھ، شکرہ بھی چوہے اور گھونسیں کھا کے ہمارے اوپر بڑا احسان کرتے ہیں۔ کیوں کہ ہمارے کھیتوں کو سب سے زیادہ نقصان انہی چوہوں اور گھونسوں سے ہوتا ہے۔ ان کی تعداد اتنی تیزی سے بڑھتی ہے کہ ان کا قابو میں آنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کے بارہ مہینے میں چھ دفعہ اولاد پیدا ہوتی ہے۔ اور ہر پال میں آٹھ آٹھ بچے پیدا ہوتے ہیں۔ جو ساڑھے تین مہینے کے بعد خود بھی بچے پیدا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایک چوہے کے جوڑے سے سال کے آخر میں آٹھ سو اسی چوہے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اس حساب سے ایک چوہے کے جوڑے کے ۵ سال میں لاکھوں چوہے بن جاتے ہیں۔ جب باز، گدھ وغیرہ چوہے کے ایک جوڑے کو کھا جاتے ہیں تو گویا ۸۸۰ چوہے اور چوہیاں ہمارے لیے ختم کر دیتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ چوہے کئی بیماریوں کے کیڑے بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔ الو کی بہت پسندیدہ غذا چوہے اور چوہیاں ہیں۔ اور وہ بڑا سا الو جس کو گھگھو الو کہتے ہیں جس کے سر پر دونوں طرف پروں کے گچھے اس طرح نکلے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے سینگ معلوم ہوتے ہیں۔ پہاڑیوں کے درے میں رہتا ہے۔ اور رات کو دیہاتوں کے قریب آ کے دو تین چوہے ایک وقت میں چٹ کر جاتا ہے۔

اس طرح قدرت کے کارخانے میں ہر ایک چیز اپنی جگہ ضروری ہے اور اس کی اہمیت ہے۔ کسی چیز کے بڑھ جانے سے یا گھٹ جانے سے قدرت کا قائم کیا ہوا توازن بگڑ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی جنگل سے شکاریوں نے ایسے جانور نکالنا شروع کر دیے جن سے خونخوار درندے اپنا پیٹ بھرتے تھے۔ شیر، چیتے جنگل میں ہر وقت ہرن، چیتل، بارہ سنگھا

وغیرہ کھاکے جیتے ہیں۔ تو جب شکاریوں نے مار مار کے ان کی غذا ختم کردی تو وہ درندے بھوک سے بےتاب ہو کے دیہاتوں میں راتوں کو جاکے وہاں کے مویشی اور مرغیاں کھا جاتے ہیں۔ بلکہ آخر میں آدم خور بن کے آدمیوں کو کھانا شروع کر دیتے ہیں۔

اسی طرح ایک کہانی ہے کہ ایک دفعہ کسی ملک میں چوہے اتنے زیادہ ہو گئے کہ ملک کا سارا اناج کھا گئے تو وہاں کے لوگ بہت پریشان ہوئے اور گھبراکر انہوں نے ہندوستان سے بہت سے نیولے منگواکر اپنے کھیتوں اور دیہاتوں میں چھوڑ دیے۔ نیولوں نے چوہوں کا خاتمہ تو کر دیا۔ مگر ساتھ ہی ان کی مرغیاں، چڑیاں اور ان کے انڈے بھی کھانا شروع کر دیے ادھر چڑیوں، مرغیوں کے گھٹ جانے سے کیڑے، مکوڑے اور حشرات الارض کی فوج اتنی بڑھ گئی کہ ان کے کھیتوں کا اناج سب برباد ہو کر رہ گیا۔ اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ قدرت کے اس عجائب خانے میں ہر چیز کی اہمیت ہے اور ہر بات میں توازن رہنا ضروری ہے۔ ورنہ بڑا نقصان ہوتا ہے۔

چڑیوں سے ایک اور فائدہ ہے کہ جب یہ پھول کا رس چوسنے کے لیے پھول کے اندر چونچ ڈالتی ہیں تو پھولوں کا زیرہ ان کی چونچوں اور پروں میں چپک کے ان کے ساتھ دوسرے پھولوں پر جا گرتا ہے۔ جس سے پھل بنتا ہے۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ مکھیاں، بھڑیاں اور دوسرے کیڑے ایک پھول کا زیرہ دوسرے پھول میں پہنچا دیتے ہیں۔ اسی طرح بہت سی قسم کی چڑیاں پھولوں میں زیرہ بکھیر کے پھل پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ بعض چھوٹی چڑیاں پھولوں کے میٹھے رس پی پی کے ہی اپنا پیٹ بھرتی ہیں۔ اور اس رس کو چوسنے کے لیے چڑیا جب اپنی چونچ پھول کے اندر ڈالتی ہے تو پھول کا زیرا اس کے سر میں، پروں میں اور چونچ میں چپک جاتا ہے۔ اور اس طرح وہ بہت سے پھولوں میں جا جاکے زیرا گرا دیتی ہے۔

ہمارے بڑے سایہ دار درخت بھی چڑیوں کی مہربانی سے جگہ جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ کسی بھی بڑے درخت میں جیسے برگد، پلکھن جب پھل لگتے ہیں تو اس وقت چڑیاں ان کو ثابت نگل جاتی ہیں۔ بعض چڑیاں منٹ میں ۷ پھل نگل جاتی ہیں۔ جن کے بیج بعد میں ان کے فضلے کے ساتھ کہیں نہ کہیں نکل جاتے ہیں اور اگر زمین سازگار رہے تو وہاں بھی وہی پیڑ اگ آتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ پیڑ پہلے درخت سے زیادہ مضبوط اور

نادر ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ پرندے انسانی غذا کے بھی کام آتے ہیں۔ اور سردیوں میں جب ماری جھیلیں اور تالاب بطخوں اور مرغابیوں سے بھر جاتے ہیں تو لوگ ان کا شکار کرکے ن کو کھاتے ہیں۔

لوگوں کو اس کا بھی شوق ہوتا ہے کہ کئی قسم کی چڑیاں پکڑ کے پنجرہ میں بند رکے شہر میں لاکے بیچ دیتے ہیں۔ یہ ان کے لیے ذریعۂ معاش ہوتا ہے۔ ور خریدنے والے خرید کے ان بے چاریوں کا تماشا دیکھ کر دل بہلاتے ہیں۔

اس کے علاوہ خاص چڑیوں کو ان کے خوش رنگ اور خوب صورت روں کے لیے تاکا اور مارا جاتا ہے۔ مثلاً ایک بگلا ہے جس کو (Egret) رچھیا بگلا کہتے ہیں۔ یہ پانی کے گڑھوں، جھیلوں یا تالابوں کے پاس رہتا ہے۔ ؤں اور گردن پتلی اور لانبی ہوتی ہے۔ اور اس کے سفید اور برف جیسے پر بڑے وب صورت ہوتے ہیں۔ یہ خاص خاص موسم میں زیادہ جھالر دار بن جاتے ہیں۔ انہی روں کی خاطر ان کا شکار کیا جاتا ہے۔ ان کے پر مغربی ممالک کو بھیجے جاتے ہیں۔ ہاں عورتیں اپنی ٹوپیوں میں لگاتی ہیں۔ ان سے اور طریقوں سے بھی آرائش ں جاتی ہے۔

مگر اب مغربی ملکوں میں چڑیوں کا شکار ممنوع ہو گیا ہے اور ہندوستان میں ی یہ قاعدہ لاگو کیا جا رہا ہے۔

پرندوں کے ان فوائد کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ ہمارا نقصان بھی کرتے ہتے ہیں۔ باغوں میں میوہ کھا جاتے ہیں۔ کھیتوں میں جاکے اناج چگ لیتے ہیں۔ یوں اور دریاؤں میں مچھلی کا شکار کر لیتے ہیں۔ ہماری سبزیوں کو خراب کر جاتے ں۔ انڈے اور مرغیاں کھاکے ہماری غذا کو کم کر دیتے ہیں۔ باغوں میں لاکے ایسے ہریلے پودوں کے بیج ڈال جاتے ہیں جو اچھے درختوں کے لیے زہریلے اور نقصان دہ تے ہیں۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود یہ ہمارے لیے ایک رحمت ہیں۔ ان کے جود سے ہم کو جو فائدے ہیں وہ اس نقصان سے کئی گنا زیادہ اور اہم ہیں۔ ہمارے

گھگھو

Great Horned Owl

لیے جو کام وہ کرتے ہیں کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے رنگ برنگے چمک دار پر، ان کا دل رُبا انداز سے پھدکنا اور ان کے رسیلے اور دل کش نغمے بھی ہمارے لیے ایک کشش رکھتے ہیں۔ اسی لیے ہم کو پرندوں کو محفوظ رکھنے کے لیے قاعدے بنالینا چاہیے تاکہ بے درد شکاریوں سے ہمارے پرندے بچ جائیں۔

گھونسلہ کیسے آباد ہوتا ہے

گھونسلہ بنا کے اُس میں انڈے رکھنے کا زمانہ سب چڑیوں کا بیک وقت نہیں ہوتا۔ بلکہ عام طور پر چڑیوں کو سردی ختم ہوتے ہی آغازِ بہار میں یعنی مارچ اپریل میں اپنا گھونسلہ بنانے اور بیاہ کرنے کا شوق گدگداتا ہے۔ مارچ سے جاڑے کم ہونے لگتے ہیں۔ درختوں میں نئی نئی کونپلیں نکل آتی ہیں۔ پھولوں کا آغاز ہوتا ہے۔ اسی زمانے میں گھونسلہ بنا کے انڈے رکھے جاتے ہیں تاکہ برسات شروع ہونے تک بچے انڈوں سے باہر نکل آئیں۔ اس وقت اُن کی غذا کے لیے ہر طرف کیڑے مکوڑوں کی بہتات ہو جاتی ہے جو چڑیوں کے بچوں کی خاص غذا ہے۔

ادھر سردی کے ختم ہوتے ہی چڑیوں کے سال بھر کے پرانے پَر جھڑ جاتے ہیں۔ اور جیسے سانپ کی پرانی کینچلی اتر کے نئی آجاتی ہے اسی طرح چڑیوں کے دوسرے نئے خوب صورت نرم اور چمک دار پَر نکل آتے ہیں۔ ان چڑیوں میں جہاں نر اور مادہ کے پروں کے رنگ میں اختلاف ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ خوب صورت بن جاتا ہے۔ جیسے مور، جس کی دم نئے پروں کے رنگوں سے خوب صورت اور چمکدار بن جاتی ہے۔ بعض نروں کی آواز بھی بدل جاتی ہے۔ اور اس کے نغموں میں اور چہکنے میں ایک مٹھاس آجاتی ہے۔ وہ زیادہ اونچی آواز میں گانے لگتا ہے اور اس طرح چہکتا ہے جیسے کسی کو بلا رہا ہو۔ پھر نر نئے کپڑوں سے لیس ہو کے، نئے چہچہے سے

بیا

Baya Weaver Bird

مزین ہو کر بیاہ کی دھن دل میں لے کر نکلتے ہیں۔ مگر فکر یہ ہوتی ہے کہ بیاہ سے پہلے گھونسلہ بنانے کی جگہ ڈھونڈھ لینی چاہیے۔ اب ہر طرف رقیبوں کا سامنا ہے اور شکاری پرندوں کی نظروں سے بچ کر گھر بنانا ہے۔ اللہ کا ملک بہت بڑا ہے۔ آخر گھونسلے کے لیے ایک محفوظ اور اچھی جگہ مل ہی جاتی ہے۔ اگر وہاں کوئی رقیب غلطی سے آ بھی جائے تو اسے لڑ کر بھگا دیا جاتا ہے۔ کبھی بڑی گھمسان کی جنگ بھی ہوتی ہے۔ تو اب اس جگہ مادہ کو بلانے کی فکر ہوتی ہے۔ مگر یہ جگہ چھوڑ کر کہیں جانا مناسب نہیں۔ مگر رقیب روسیاہ جو یہاں سے تیسرے یا چوتھے درخت پر چھپا بیٹھا ہوگا۔ فوراً آ دھمکے گا اور دوبارہ اس سے جنگ کرنا پڑے گی۔ اس لیے نر اس جگہ سے قریب کی کسی اونچی ٹہنی پر بیٹھ کے اپنی خوب صورت آواز زرا بلند کر کے چہک چہک کے اس کا اعلان کرنے لگتا ہے کہ ع ”مانگے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو“ یہ صدائے درد فقط مادہ کو بلانے کے لیے ہوتی ہے۔ مگر بعض دفعہ ایک دو مادائیں جو آہستہ آ جاتی ہیں کم بختی سے ان کے ساتھ دو ایک رقیب بھی لگے ہوتے ہیں۔ نر تو عشق و محبت کی دھن میں چہک رہا تھا۔ کم بخت بن بلایا مہمان کیوں آ پڑا۔ اب اس سے پھر سے جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ اس کو چونچوں سے مار مار کے اتنا پریشان کیا جاتا ہے کہ وہ دُم دبا کر بھاگ جاتا ہے۔ غرض کہ جب دشمن میدان سے ہٹ جاتے ہیں تو اسی ٹہنی پر بیٹھ کر دوبارہ ایک دل کش آواز سے چہکنا شروع کر دیتا ہے۔ اب وہ مادہ جو دور کسی ڈالی پر بیٹھ کر سب تماشا دیکھ رہی تھی، قریب کی ٹہنی پر آ کر بیٹھ جاتی ہے۔ جس سے نر کی ہمت بڑھ جاتی ہے۔ اور اس کا دل زوروں سے دھڑکنے لگتا ہے۔ اب تو وہ ایک تماشا بن جاتا ہے۔ کہیں اکڑ اکڑ کے اور کہیں تھرک تھرک کے ٹہل رہا ہے۔ کبھی پروں کو پھلا کے اس کے خوب صورت رنگوں کو دھوپ میں چمکا رہا ہے۔ کبھی لوٹ لوٹ کے مادہ کو لبھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ بلکہ مور تو اپنی خوب صورت دُم کو پنکھے کی طرح کھول کے ناچنے لگتا ہے۔ اور کوئی نر اپنی مادہ کے سامنے قلا بازیاں کھا کے ورزش کا تماشا دکھانے لگتا ہے۔ کوئی نر جلدی سے جا کے ایک موٹا سا کیڑا چونچ میں دبا کر لاتا ہے۔ اور دلربا کے سامنے چاکلیٹ کی طرح پیش کرتا ہے۔ ایک پرند جس کو نیل کنٹھ کہتے ہیں، ہوا میں قلا بازیاں کھانا شروع کر دیتا ہے۔ کوئی چڑا ٹہنی پر بیٹھ کر اپنی بہترین عشقیہ غزل گانے لگتا ہے۔ غرض کہ معشوق کو لبھانے کے انداز

مختلف اور دل چسپ ہوتے ہیں۔ چڑیا دور بیٹھی ہوئی خاموشی سے یہ سب تماشا دیکھتی رہتی ہے آخر کب تک؟ اس ظالم کا دل بھی پگھل ہی جاتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ وہ بھی دولھا میاں کے نزدیک آ کر پر پھلا کے ناچنے لگتی ہے۔

جب شادی ہو جاتی ہے تو میاں بی بی بڑے انہماک سے گھونسلہ بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ ہر جوڑا ایسا ہی گھونسلہ اپنے لیے بنانے لگتا ہے جیسا کہ اس کے باپ دادا نے اپنے لیے بنایا تھا۔ ہر ایک چیز اسی باریکی اور استادی سے کی جاتی ہے۔ اس کی بناوٹ میں کسی نئی ایجاد کا خیال بھی ان کو نہیں آتا۔ ہر چڑیا کا گھونسلہ الگ الگ طرز کا ہوتا ہے۔ کسی کا گھونسلہ زیادہ وقت اور کافی محنت اور وقت کے بعد تیار ہوتا ہے۔ اور بعض ایسے بے ڈھنگے انداز کے ہوتے ہیں کہ کم وقت اور کم محنت سے ہی بن جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بنتے بنتے ٹوٹنے لگتے ہیں۔ جب گھونسلہ تیار ہو جاتا ہے تو اس میں انڈے رکھ کر نر اور مادہ دونوں اس کو باری باری سیتے ہیں۔ ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ مادہ انڈوں پر جب بیٹھتی ہے تو نر اس کو غذا لا لا کے کھلاتا رہتا ہے۔ دن میں ۴۰ یا ۵۰ موٹے موٹے کیڑے لا کر کھلاتا ہے۔ بچوں کو بچانے کے لیے دونوں اپنی جان لڑا دیتے ہیں۔ اور ایسی وفاداری اور جانفشانی سے ان کو پالتے ہیں کہ گویا کسی کے سامنے ان کو جواب دینا ہے۔

جتنی مختلف مزاجوں، عادتوں اور اقسام کی چڑیاں ہیں ویسے ہی قسم قسم کے ان کے گھونسلے ہوتے ہیں۔ کوئی تو اس قدر حکمت اور محنت سے بنائے جاتے ہیں کہ مشین میں انڈوں سے نکلے ہوئے بچے جو ڈبوں سے پل کر بڑے ہوتے ہیں وہ آزاد کیے جانے کے بعد بھی جب وقت آتا ہے تو اپنا گھونسلہ بالکل ویسا ہی بناتے ہیں جیسا کہ اس کے باپ دادا بنایا کرتے تھے۔ حالاں کہ نہ ان کو کسی نے سکھلایا نہ کسی دوسرے کا دیکھا۔ چڑیا اس کام کو اپنے وجدان سے کرتی ہے۔ جس میں عقل کا دخل نہیں ہوتا۔ اسی طرح اپنے بچوں کو کسی دشمن سے محفوظ رکھنے یا حفاظت کرنے کے لیے لڑنے کا جذبہ بھی وجدانی ہوتا ہے۔

گھونسلے کی ایک تو وہ قسم ہے جہاں ماں باپ گھاس اور پتوں کو سمیٹ کر جھاڑی میں زمین پر ایک رکابی کی شکل کا بنا کر اس میں اپنے انڈے رکھ دیتے ہیں جیسے تیتر، بٹیر اور جنگلی مرغی۔ آپ دیکھیں تو کھلی زمین پر ان کے انڈے

رکھے ہوئے ہیں۔ مگر وہ کسی کو آسانی سے نظر نہیں آتے۔ کیوں کہ قدرت ان کے بچاؤ کے لیے ان کو ویسے ہی رنگ کا بناتی ہے۔ جیسا کہ اس زمین اور گھاس کا ہوتا ہے۔ تاکہ دشمن آسانی سے ان کو نہ دیکھ سکے۔

ایک گھونسلہ کی قسم وہ ہوتی ہے۔ جسے نر و مادہ سوکھی ہوئی پتلی پتلی ٹہنیوں سے کسی بہت اونچے درخت کی ٹہنی پر بناتے ہیں۔ یہ ایسے چبوترہ کی طرح ہوتی ہے جس پر ہرے ہرے پتے بچھے ہوں۔ اس طرح کا گھر باز یا گدھ کا ہوتا ہے۔ اور چیل تو ایسی خشک موٹی لکڑیوں کا گھونسلہ بنا کر اس میں ٹوٹے ہوئے تار، چیتھڑے اور تاگے کے ٹکڑے رکھ کے اس پر انڈے رکھ دیتی ہے۔ کوئی چڑیا اپنا گھونسلہ پتلے تنکوں سے بُنتی ہے۔ اور بڑے صبر کے ساتھ اپنی چونچ سے ایک ایک تنکا پروتی ہے۔ جیسے بیا کا۔

ابابیل چڑیوں کی ایک قسم ہوتی ہے جو گیلی مٹی سے اپنے لیے گھونسلہ کسی شکستہ دیوار یا پہاڑی کی ڈھلوان منڈیر پر بناتی ہے۔ وہ کسی گڑھے سے بارش کے پانی سے گیلی مٹی اپنی چونچ میں لاتی ہے اور اس جگہ تھوپتی جاتی ہے۔ اس کے تھوک میں گوند کا سا اثر ہوتا ہے۔ اور وہ مٹی کی ذرا ذرا سی گولیاں اپنا تھوک لگا لگا کے تھوپتی جاتی ہے۔ یہ بڑے صبر کا کام ہے۔ مگر وہ دن بھر کیے جاتی ہے۔ ایک چڑیا درزن کا کام کرتی ہے یعنی دو نرم بڑے پتے لے کر ان کے کنارے ملا کر چونچ سے سی دیتی ہے۔ سینے کے لیے روئی کے ریشے یا گرے پڑے تاگے کے ٹکڑے لا کر اپنا کام پورا کرتی ہے۔ ایک بوتل کی شکل کا گھونسلہ بنا کر کسی چھوٹے سے درخت کی نیچی ٹہنی پر لٹکا کر اس میں انڈے رکھ دیتی ہے۔

گھونسلوں کی قسمیں

۱۔ ایک وہ سادہ سا جو زمین پر چند گھاس کے تنکوں اور پتوں کو سمیٹ کر بنایا جاتا ہے۔ جیسے بٹیر، جنگلی مرغی اور ٹٹوری وغیرہ کا۔

۲۔ دوسرا وہ جو لکڑیوں کو درخت کی ٹہنی پر رکھ کر پلیٹ فارم بنا دیتے ہیں۔ اور اس کے بیچ گڑھا سا ہوتا ہے جس میں گھاس پھونس اور پروں کو رکھ کے نرم پیالا سا بنا دیا جاتا ہے جو ہر طرف سے کھلا ہوتا ہے۔ ایسا گھونسلہ جو کسی درخت پر، پہاڑی پر، یا بلڈنگ کے چھجے پر نظر آتا ہے، اور بہت سے پرندوں کا بھی ہوتا ہے مثلاً کوا، چیل،

کبوتر، باز اور ڈھوک (STROKER) وغیرہ کے۔

۳۔ ایک وہ گھونسلے جو سوکھے درختوں کے سوراخوں یا قدرتی کھو میں ہوتے ہیں۔ اُن میں کچھ روئی، گھاس پھوس رکھ کے انڈے رکھ دیے جاتے ہیں۔ جیسے کہ اُلّو یا کٹ پھوڑا۔ جس کی چونچ بڑی تیز اور باریک ہوتی ہے۔ جس سے وہ لکڑی پر ہتھوڑی کی طرح مار مار کے اندر سے کیڑے نکال کے کھاتا ہے۔ اور ہماری گھریلو بطخ بھی اسی طرح جھیل کے کنارے پیڑوں کی کھو میں انڈے دیتی ہے۔ بچے بڑے ہوتے ہیں تو لوٹ پوٹ کے خود ہی گر جاتے ہیں اور تیرنے لگتے ہیں۔ بطخ ذرا اونچی جگہ کھو میں انڈے اس لیے رکھتی ہے کہ اگر جھیل یا ندی میں پانی بڑھ جائے تو اس کے انڈوں کو نقصان نہ پہنچے۔

۴۔ یا پھر وہ چڑیاں ہوتی ہیں جو ندی کے کنارے کی مٹی میں اپنی چونچ سے سُرنگ کھودتی ہیں۔ اور اپنے پنجوں سے مٹی کھود کے پیچھے سرکاتی ہیں۔ کبھی یہ سرنگ چند انچ کی اور کبھی یہ سرنگ کئی فٹ لانبی ہوتی ہے۔ آخری حصّہ میں ذرا موڑ پر چوڑی ہو جاتی ہے۔ جہاں اندر انڈے رکھے جاتے ہیں۔ ہد ہد (Hoopoe) اور کلکلا (KING FISHER) وغیرہ کے گھونسلے ایسے ہوتے ہیں۔

۵۔ ایک وہ ہوتا ہے جہاں چڑیا گیلی مٹی لے کر اس میں اپنا تھوک ملا کر تھوپتی جاتی ہے۔ ان چڑیوں کے گھونسلے کے زمانے میں تھوک زیادہ آتا ہے۔ اور یہ گولیاں سوکھ کر سخت بن جاتی ہیں پھر اس کے اوپر اور مٹی تھوپی جاتی ہے۔ اور وہ آڑے، ٹیڑھے، بھدے آب خورے معلوم ہوتے ہیں۔ جو کسی پل کے نیچے کے حصّے میں یا اونچے دروازے کی کمان میں چپکے ہوتے ہیں۔ اکثر پانی کے پاس اس قسم کے گھونسلے پوری جماعت بناتی ہے۔ ایسے گھونسلے ابابیل (SWALLOW TWERSH) اور کستوری (BLACK BIRD) کے ہوتے ہیں۔

۶۔ ایک وہ لٹکتا ہوا گھونسلہ ہوتا ہے جو درزن چڑیا تین چار پتوں کو سی کر لٹکا دیتی ہے۔ ایک وہ ہوتا ہے جو دو ڈالیوں کے بیچ میں گھاس پھوس، روئی کے ٹکڑے جمع کر کے مکڑی کے جالے سے لپیٹ کے پیالہ بنا دیا جاتا ہے۔ مکڑی کا جالا چڑیوں کے گھونسلے بنانے میں بہت کام آتا ہے۔ وہ اپنی چونچ پر لپیٹ کے یہ جالا لے آتی ہے اور پھر کھول کے گھونسلے کے گرد لپیٹ دیتی ہے۔ ایسے گھونسلے (MINIETTI FLY CATCHERS) کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ ہوتا ہے جہاں چڑیا گھاس کی پتلی پتلی اپنی چونچ سے بُن کرلے جاکر

کسی اونچی سی گھاس پر یا چھوٹی سی جھاڑی میں لٹکا دیتی ہے جس کا منہ اوپر سے کھلا ہوتا ہے۔ ایسا گھونسلہ بھٹگی Wren Warbler کا ہوتا ہے۔ اور زمین سے صرف دو فٹ اونچا ہوتا ہے۔

چھوٹا کلکلا King fisher جو چڑیا سے ذرا بڑا ہوتا ہے، اس کے پر ہرے نیلے اور پیٹ گہرا براؤن ہوتا ہے۔ اور لمبی پتلی چونچ ہوتی ہے۔ جس سے جھپٹ کے پانی سے مچھلی اٹھا لیتا ہے۔ جو کہ ندی، جھیل اور پانی کے گڑھوں کے پاس رہتا ہے۔ وہ اپنی لمبی اور پتلی چونچ سے ندی کی گیلی مٹی کھود کھود کے ۴ فٹ لمبی سرنگ بنا کے اس کے اندر ۵ سے ۷ تک انڈے دیتا ہے۔ وہ بہت محفوظ ہوتے ہیں۔ اور سفید چمک دار ہوتے ہیں۔

مگر جہاں گھونسلے ڈالیوں پر کھلے بنے ہوتے ہیں وہاں دشمن کی نظر سے چھپانے کے لیے کئی رنگ کے ہوتے ہیں۔ بھورے، ہرے، نیلے اور اودے۔ غرض کہ جیسا ان کے آس پاس کا رنگ ہوتا ہے ویسے ہی رنگ اور داغ کے انڈے ہوتے ہیں۔ اس پر بھی دشمن اگر انڈے کھانے آتا ہے تو ماں باپ کے پاس ان کی حفاظت کے لیے لڑنے کے لیے سوائے اس چونچ اور پنجوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور وہ اسی سے دشمن پر حملہ کرتے ہیں۔ اور چونچیں مار کر شور مچاتے ہیں۔ اور موذی دشمن کو بھگانے میں اپنی جان تک لڑا دیتے ہیں۔ چڑا چڑیا انڈوں کو کتنی محنت سے سیتے ہیں اور پیٹ کی گرمی سے سیتے ہیں۔ اس وقت چڑیا کے پیٹ کے کچھ پر جھڑ جاتے ہیں۔ تاکہ انڈوں کو گرمی پہنچے۔ بعض انڈے گیارہویں دن پھوٹ جاتے ہیں۔ اور بچے نکل آتے ہیں۔ مگر بڑے پرندوں کے انڈے ۸۰ دن کے بعد پھوٹ کر بچہ نکلتا ہے۔

عام طور پر پرندوں کے بچے جب انڈوں سے باہر آتے ہیں تو ان کی آنکھیں بند ہوتی ہیں۔ جو ۸ یا ۱۰ دن کے بعد کھلتی ہیں۔ مگر بطخ اور مرغی ذیرا (Plover) کے بچے کھلی ہوئی آنکھوں کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کے بدن پر باریک باریک پروں کا لباس بھی ہوتا ہے۔ وہ باہر نکلتے ہی دانہ چگنے لگتے ہیں۔ بطخ جو اپنا گھونسلہ پانی پر جھکی ہوئی ڈال پر بناتی ہے اس کے بچے تو انڈے سے نکلتے ہی لڑھک کے پانی میں گرتے ہیں اور تیرنے لگتے ہیں۔

بہت سی چڑیاں آدمی کے ساتھ لگی رہتی ہیں۔ اس لیے شہروں میں بھی آرام سے بستی ہیں اور گھونسلے بناتی ہیں۔ جیسے گھریلو چڑیا جس کو گوریا بھی کہتے ہیں۔ یہ ہر جگہ موجود ہے۔ آدمی کی ہمدمی میں خوش ہے۔ شہر یا ویرانے، مسجد ہو یا مقبرے، کھیت ہو یا جنگل ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ اور خوش ہے۔ ہمارے شہر بمبئی میں، یہ نہ شور وغل سے گھبراتی ہے اور نہ مجمعوں سے۔ سب ایک ساتھ درخت پر اپنی برادری کے ساتھ بیٹھی چوں چوں کرتی ہیں۔ اور نیچے سے موٹریں گذریں یا بسیں، کسی آواز سے نہیں اڑتیں بلڈنگ کے اندر گھس کے گھاس پھوس لاکے برقی پنکھے میں گھونسلہ بنانے کی فکر میں لگی رہتی ہیں۔ تھوڑی دیر میں مالک مکان آ کے لکڑی سے سب صاف کر دیتا ہے۔ تنکے ہوا میں اڑ جاتے ہیں۔ چڑیا کھڑکی پر بیٹھی ہوئی دیکھتی ہوتی ہے مگر جہاں پنکھا رکا پھر گھونسلہ بنانے کے لیے تنکے جمع کرنا شروع کر دیتی ہے۔ یہ سال میں کئی بار تین یا پانچ انڈے دیتی ہے۔ جو سفید سبزی مائل ہوا کرتے ہیں۔

Common Grey Hornbill

نرالی عادتوں کی چڑیاں

اب ادھر تو آپ نے چڑیوں کی عام عادتوں کا حال پڑھا۔ مگر کچھ ایسی چڑیوں کا حال سنیئے جو دوسروں سے الگ قسم کی عادتیں رکھتی ہیں۔

اس قسم کا ایک پرندہ ہے جس کا انگریزی نام (HORN BILL) ہے سالم علی اپنی کتاب میں اس کا ہندی نام دھنیش لکھتے ہیں۔ یہ قد میں معمولی چیل کے برابر ہوتا ہے۔ اس کے موٹی سی چونچ سرمئی رنگ کی خوب لمبی چوڑی ہوتی ہے۔ جس کے اوپر ایک چھوٹا سا سخت گوشت کا سینگ نکلا ہوا ہوتا ہے۔ جو عجیب سی نظر آتی ہے۔ اور خیال ہوتا ہے کہ کوئی عجیب سا کام کرتی ہوگی۔ یہ پرندہ تمام ہندوستان میں پایا جاتا ہے۔ آم کے پیڑوں کے جھنڈ میں اور پیپل اور بڑ کے پاس رہتا ہے۔ معمولی بیریاں اور پیپل کی بیریاں کھاتا ہے اور پھل کے علاوہ گرگٹ، چوہے اور موٹے بڑے کیڑے بھی کھا جاتا ہے۔

اس کا مارچ سے جون تک گھونسلہ آباد کرنے کا زمانہ ہے۔ اُس وقت مادہ جا کے کسی پرانے اونچے درخت پر بنا بنایا سوراخ ڈھونڈ لیتی ہے۔ اور اس میں بیٹھ جاتی ہے۔ اور پھر اپنی بیٹ سے تھوپ تھوپ کے اس سوراخ کو چُن کے بند کرنا شروع کرتی ہے۔ اور نر بھی باہر سے گیلی مٹی لا لا کے سوراخ کو چُن دیتے ہیں۔ اور اپنی چونچ کے اوپر اُٹھے ہوئے سینگ سے کرنی (کنی) کا کام لیتا ہے۔ دونوں

کی محنت اس سوراغ کو بند کر دیتی ہے۔ جس میں ایک چھوٹی سی کھڑکی کھلی رہ جاتی ہے۔ یہ دیوار سمنٹ کی دیوار کی طرح مضبوط ہو جاتی ہے۔ اس وقت اندر دو یا تین سفید نیلے رنگ کے انڈے نظر آتے ہیں۔ مادہ تو قید ہو کر ان کو سیتی رہتی ہے اور نر روزی کی تلاش میں گھوم پھر کر کیڑے مکوڑے اور ہر قسم کی غذا لا کر اسی چھوٹی سی کھڑکی میں چونچ ڈال کے مادہ کو کھلاتا رہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ دن بعد مادہ اندر ہی اندر کھا کھا کے موٹی ہو جاتی ہے اور نر اس کے لیے غذا لانے کی محنت سے دبلا ہو جاتا ہے۔ جب بچے انڈوں سے باہر نکل آتے ہیں تو کچھ دن بعد مادہ خود ساختہ قید خانے کو توڑ کر باہر نکل آتی ہے اور دیوار پھر چن دیتی ہے۔ اس کے بعد نر اور مادہ دونوں مل کر بچوں کو غذا لا لا کر کھلاتے رہتے ہیں۔ جب تک کہ وہ اڑنے کے قابل ہو جائیں۔

بیے کا گھونسلا ایک کمال کی چیز ہے۔ برسات کے شروع موسم میں جبکہ ہر جگہ اونچی اونچی لمبی اور باریک گھاس اُگ آتی ہے اور جا بجا گڑھوں میں پانی جمع ہو جاتا ہے، ایسے میں ایک کھلے میدان میں جہاں بیری، کھجور، اور ببول کے درخت ہوں نہ جانے کہاں سے سو پچاس بیے جمع ہو جاتے ہیں۔ اور گھونسلے بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ برسات کے شروع ہوتے ہی نروں کا لباس قدرت کی کاری گری سے خوب صورت بن چکا ہوتا ہے۔ کام کے دوران وہ سب کے سب چہکتے جاتے ہیں اور کھجور، ببول یا بیری کی جھولتی ہوئی ٹہنی کو گھونسلے کے لیے پسند کر لیتے ہیں۔ جس کے نیچے برسات کا پانی اکثر جمع رہتا ہے۔ یا تالاب یا کنڈ کے کنارے نظر آتے ہیں۔ یہ بڑی ہنرمندی سے ناریل کا پتہ لے کے اس کی نس دانت سے کاٹ کے نکال لیتا ہے جو کئی انچ لمبی ہوتی ہے۔ اس کے بعد ایک اوندھا گلاس بُننا شروع کر دیتا ہے۔ جو اوپر سے نیچے آتے ہوئے چوڑا ہو جاتا ہے۔ یہ گھونسلہ بہت باریکی، محنت اور مضبوطی سے بنایا جاتا ہے۔ اور صبح سے شام تک بیا اسی کام میں مشغول رہتا ہے۔ اکثر بیس پچیس بیے وہاں آجاتے ہیں۔ وہ بھی اپنا اپنا گھونسلہ بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ اطراف کے کھیتوں سے بیج اور بیریاں کھاتے جاتے ہیں اور چہکتے اور شور مچاتے جاتے ہیں۔ جب گھونسلہ اتنا بڑا ہو جاتا ہے کہ اس کی تھیلی اس میں سما جائے تو اس جال دار بوتل کے منہ پر ایک آڑی چوٹی بنا کر لگا دی جاتی ہے۔ جس پر بیا جھول کر اور بیٹھ کر گھونسلے کا توازن دیکھتا ہے۔ کسی طرف وہ زیادہ جھول تو نہیں جاتا ہے۔ اگر کسی طرف جھول جاتا ہے تو وہ

شوبگی

Common Iora (*Aegithina Tiphia*)

ایک کیچڑ کی گوٹی اندر کی طرف تھوپ دیتا ہے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ اس بھولی موٹی مٹی کو اس لیے لگاتا ہے کہ اپنے بچوں کے لیے اس جگہ میں جگنو لاکر بٹھادے۔ اس کے فوراً بعد ہی کہیں سے بہت سی مادائیں چلی آتی ہیں اور ہر ایک گھونسلے کا معائنہ شروع کردیتی ہیں۔ اور نر کے دل کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ مادہ کو دیکھتے ہی اپنے پر پھلاکر اور اکڑ اکڑ کے اس کے سامنے پھدکنے لگتا ہے۔ کچھ دیر بعد مادہ کا دل پگھل جاتا ہے اور وہ ایک گھونسلہ پر قبضہ جماکر بیٹھ جاتی ہے گویا اس نے پیغام قبول کرلیا۔ پھر دونوں ساتھ مل کر اس گھونسلے کو پورا کرتے ہیں اور بُن بُن کر بوتل نما بنا ڈالتے ہیں۔ جس کے داخلے کے دو دروازے ہوتے ہیں۔ اس میں ایک ہی انڈے خانے کو جاتا ہے۔ اس کے بعد جب مادہ تین چار انڈے رکھ کر اس پر سینے بیٹھ جاتی ہے تو بیا اس کو بھول کر فوراً دوسرا گھونسلہ بنانا شروع کردیتا ہے اور اس کے لیے نئی مادہ کو بھاکر وہاں بٹھالیتا ہے۔ جب کچھ مدت کے بعد اس کے بھی انڈے نظر آتے ہیں تو بیا تیسرا گھونسلہ بنانا شروع کردیتا ہے۔ وہ تو اسی میں مشغول رہتا ہے اور مادہ اکیلی بیٹھ کر انڈے سیتی اور بچوں کو پالتی رہتی ہے۔ اس کا یقین نہ ہوسکا کہ وہ باری باری سے جاکر اپنی بیوی کو کھانا دانا پہنچاتا ہے یا نئی شادیوں کی دل فریبی میں پہلے گھونسلے کے بیوی بچوں کو بھول جاتا ہے۔

(The Bustard Quail) یہ بٹیر دوسروں سے ذرا الگ قسم کا پرند ہے۔ اس کی مادہ نر سے زیادہ مضبوط، موٹی اور خوب صورت ہوتی ہے۔ اس کے سامنے کے پروں میں سیاہ لکیریں ہوتی ہیں۔ اور پر وغیرہ بھی بہت خوب صورت ہوتے ہیں۔ دوسرے پرندوں کی طرح اس کے پنجوں میں پیچھے کی طرف چھوٹی انگلی نہیں ہوتی۔ تقریباً تمام ہندوستان میں یہ چڑیا پائی گئی ہے۔ کھلے میدانوں کی چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں کے جھنڈمیں چھپ کے بیٹھی رہتی ہے۔ عموماً بہت سی ساتھ ہوتی ہیں۔ یہ اڑنے کی شوقین نہیں ہے۔ اگر کسی نے ستایا تو ذرا سا اڑ کر پھر جھاڑی میں گھس جاتی ہے۔ صرف دانہ یا کیڑے کھانے کے لیے باہر نکلتی ہے۔

اس کی نرالی خوبی یہ ہے کہ مادہ نر سے زیادہ مضبوط اور موٹی ہوتی ہے۔ وہ نر کا پارٹ ادا کرتی ہے۔ گھونسلہ بناتے وقت برادر، برادر آواز نکالتی جاتی ہے۔ جس کو سُن کر کوئی نر آموجود ہوتا ہے۔ اگر کم بختی سے کوئی دوسری مادہ بھی آگئی تو یہ رقیب سے لڑبھڑکر

اس کو بھگا دیتی ہے اور نر دور سے دیکھتا رہتا ہے۔ جب وہ بیاہ کرلیتی ہے تو تین یا چار انڈے گھونسلے میں رکھ کے خود رفوچکر ہوجاتی ہے۔ تاکہ دوسرا بیاہ رچائے۔ بے چارہ نر انڈوں کو سیتا بھی ہے اور بعد میں بچوں کو اکیلا کھلاتا پلاتا بھی ہے۔ ادھر مادہ کسی دوسرے نر سے رنگ رلیاں مناکر اس کے گھونسلے میں بھی تین چار نیلے سفیدی مائل انڈے جن پر سرخ چھینٹے ہوتے ہیں، رکھ کر وہاں سے بھی رفوچکر ہوجاتی ہے۔ اسی طرح سے ایک موسم میں کئی گھونسلے اور انڈے رکھتی جاتی ہے۔ اس کا گھونسلہ جھاڑی میں گھاس پھوس جمع کرکے پیالے کی شکل کا ہوتا ہے۔

راج چھایا

اسی قسم کی ایک اور چڑیا جس کا نام Painted Snipe ہے اور جس کو سالم علی صاحب "راج چھایا" لکھتے ہیں۔ یہ بٹیر کے برابر چڑیا ہوتی ہے۔ جس کے پر مدھم ہرے رنگ کے ہوتے ہیں۔ جن پر سیاہ دھاریاں ہوتی ہیں۔ لمبی سی چونچ ہوتی ہے جو سامنے سے ذرا مڑی ہوئی ہوتی ہے۔ مادہ نر سے زیادہ خوبصورت اور رنگین پر والی ہوتی ہے۔ یہ تالاب، جھیل، پانی سے بھرے کھیتوں یا گھاس والے پانی کے گڑھوں میں پائی جاتی ہے۔ کیوں کہ چاول کے دانے بھنگے اور کیڑے وغیرہ اس کی غذا ہیں۔ تمام ہندوستان میں جہاں پانی ہے وہاں یہ پائی جاتی ہے۔

اس چڑیا کی مادہ بھی دوسری مادہ چڑیوں سے نر حاصل کرنے کے لیے لڑتی ہے۔ اپنے لیے گھاس پھوس کا گھونسلہ کیچڑ والی زمین پر بناکر انڈے رکھ کر رفوچکر ہوجاتی ہے۔ اس کے تین یا چار مٹیلے مٹیلے انڈے ہوتے ہیں جن پر بھوری لکیریں اور دھبے ہوتے ہیں۔ جن کو نر بیٹھ کے سیتا اور بچے نکلنے کے بعد پالتا ہے۔ سال میں کئی بار یہ چڑیا انڈے دیتی پھرتی ہے۔

Jacana (ہندی نام معلوم نہیں) تیتر کے برابر کی چڑیا ہے۔ جو جھیلوں اور تالابوں پر رہتی ہے۔ جس کے لمبے پتلے پاؤں کے پنجے مکڑی کے جیسے باریک آدھے آدھے فٹ لمبے جال سے ہوتے ہیں۔ جن کی مدد سے وہ کنول اور سنگھاڑے کے پتوں پر چلتی ہے۔ پنجوں کی چوڑائی اس کا توازن قائم رکھتی ہے۔ وہ سنگھاڑے اور کنول کے بیچ پانی کے کیڑے اور بھنگے کھاتی ہے۔ ضرورت ہو تو تیر بھی لیتی ہے۔ غوطہ بھی لگاتی ہے۔ گاؤں کے تالاب میں یہ انسانوں سے مانوس بھی ہوجاتی ہے۔ اور دیہاتی عورتیں ایک طرف آکے کپڑے

دھوتی اور باتیں کرتی رہتی ہیں اور گپ شپ کرتی رہتی ہیں۔ اور حالبتاً آرام سے ایک کنارے پر بھنگے پکڑتی رہتی ہیں۔ مگر جب گھونسلہ بنانے کا وقت آتا ہے جو جون سے ستمبر تک ہوتا ہے تو وہ چند سوکھی لکڑیاں کسی تیرتے ہوئے پتے پر رکھ کر اس کو گھاس پھوس سے زم بناکے اس پر تین چار بھورے سیاہی مائل انڈے رکھ دیتی ہے۔ کبھی تو محض تیرتے ہوئے پتوں پر انڈے رکھ دیتی ہے۔ جو پانی کی تہہ میں ڈوبے ہوئے رہتے ہیں۔ یہ سب کرنے کے بعد مادہ کسی دوسرے نر کی تلاش میں اڑ جاتی ہے۔

کوئل اس کا گھریلو کوے کی طرح کا جسم ہوتا ہے۔ دُم اُس سے دبلی اور لمبی ہوتی ہے۔ اس کی پیٹھ چمکیلی اور کالی ہوتی ہے۔ چونچ سرد ہریالی مائل اور آنکھیں سرخ ہوتی ہیں۔ یہ چڑیا سارے ہندوستان میں باغوں میں اور گھنے درختوں میں پائی جاتی ہے۔ سردیوں میں چپ ہو جاتی ہے۔ مگر جوں جوں گرمی بڑھتی جاتی ہے، اس کی کوکو بڑھتی جاتی ہے۔ صبح منہ اندھیرے اسی کی آواز سب سے پہلے سنائی دیتی ہے۔ مادہ صرف کک کک کرتی ہوئی ایک درخت سے دوسرے درخت پر کودتی رہتی ہے۔ اور بیریاں اور کیڑے چنتی پھرتی ہے مگر اپنے لیے نہ کبھی گھونسلہ بناتی ہے اور نہ انڈے سیتی ہے۔ اس کے انڈے دینے کا زمانہ کوے کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس وقت وہ چپکے سے جاکر کوے کے گھونسلے میں انڈے رکھ دیتی ہے۔ جس کی کوے کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ مگر کوے کے انڈے کے جیسے ہلکے زردی مائل ہرے ہوتے ہیں۔ جن پر ہرے سرخ دھبے ہوتے ہیں۔ یہ کبھی دو کبھی تین یا کبھی اس سے بھی زیادہ انڈے رکھ دیتی ہے۔ اگر جگہ نہ ہو تو کوے کے انڈے نیچے گرا کر اپنے انڈوں کے لیے جگہ بنا لیتی ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ کوا جو اتنا چالاک پرندہ ہے، دھوکا کھا جاتا ہے۔ اور مادہ اپنے انڈوں کے ساتھ کوئل کے انڈے بھی سیتی ہے۔ کوے کے بچوں کے ساتھ کوئل کے بچے بھی جب انڈوں سے نکلتے ہیں تو وہ بالکل کوے کے بچوں کی طرح کالے ہوتے ہیں۔ مادہ کو اپنے بچوں کے ساتھ انھیں بھی خوراک کھلانی پڑتی ہے۔ اور پالتی ہے۔ مگر وہ بچے ایسے چالاک ہوتے ہیں کہ اگر ان کو جگہ کم ہے تو کوے کے بچے کو کبھی کبھی گھونسلے سے باہر کھسکا کے گرا دیتے ہیں۔ اور مادہ کوے کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ ادھر کسی درختوں کے جھنڈ میں آوارہ گرد کوئل کوکو کرتی پھرتی ہے۔ اس کی ایسی طفیلی عادت کے سبب کوا جب بھی کوئل کو دیکھ پاتا ہے اسے مارنے دوڑتا ہے۔

یہی حال پپیہے کا ہے۔ یہ وہی چڑیا ہے جو پیا کی تلاش میں گرمی اور برسات میں "پی کہاں" "پی کہاں" کا شور مچائے رہتی ہے۔ ہندی گانے میں اس کا نام ضرور آتا ہے۔ کبھی کبھی اس کی صدا "پی کہاں" بڑھتے بڑھتے دیوانگی کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر اپنے لیے گھونسلہ کبھی نہیں بناتی۔ درزی یا پھٹکی جو گوریا کے برابر ہوتی ہے، ہر وقت بے چین پھرتی ہے۔ پیلی ہریالی مائل پیٹھ اور پیٹ سفید ہوتا ہے۔ لمبی نوک دار چونچ ہوتی ہے۔ یہ تمام ہندوستان میں پائی جاتی ہے۔ جوڑے کے ساتھ یا اکیلی اکثر جھاڑیوں میں اڑتی پھرتی ہے۔ دوستانہ انداز کی اور بھروسہ کرنے والی چڑیا ہے۔ اگر جنگل کی جھاڑیوں میں رہتی ہے تو باغوں اور انسانوں کی بستی کے قریب بھی پھدکتی ہے۔ برآمدے کے باہر بیلوں میں بھی چہکتی ہے۔ "ٹُو ویٹ، ٹُو ویٹ" اس کی چہک ہوتی ہے۔ چھوٹے کیڑے، ان کے انڈے اور فضلا کھا لیتی ہے۔ اس کے سوا پھولوں کا رس بھی چوستی ہے۔ اپریل سے ستمبر تک گھونسلہ بناتی ہے، کسی درخت کے بڑے لٹکتے ہوئے پتے لے کر ان کے کناروں کو روئی کا تاگا سا نکال کر اپنی چونچ سے مہین مہین سی کر ایک انجزہ بنا لیتی ہے اس میں نرم تاگو، روئی اور ترکاری کی باریک رگوں کا لپیٹ لپیٹ کر پیالہ بنا کر رکھ دیتی ہے۔ ان پر اپنے تین چار سرخ یا نیلے انڈے جن پر سُرخ دھبے ہوتے ہیں رکھ دیتی ہے۔ مادہ انڈوں کو تنہا ہی سیتی ہے۔ نر کو اس سے مطلب نہیں ہوتا۔ درزی چڑیا کا اپنی باریک اور لمبی چونچ سے پتے سی سی کر گھونسلہ بنانا ایک حیرت انگیز نظارہ ہے۔

درزی ، پھٹکی

Tailor Bird

ہجرت

چڑیوں کی ہجرت اپنے طرز کی ایک عجیب چیز ہے۔ جس میں انہیں نہ پاسپورٹ کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ویزا کی۔ جہاں وہ چاہتی ہیں اور جس ملک میں ان کو دانا پانی ملتا ہے وہاں وہ اپنا وطن عارضی طور پر چھوڑ کر پہنچ جاتی ہیں۔ مگر جب گھونسلہ بنانے کا وقت آتا ہے تو وہ اپنے وطن کو لوٹ آتی ہیں۔

اکثر چڑیاں اُتر کے سرد ملکوں اور برفانی خطوں سے گرم ملکوں کو ہجرت کرتی ہیں۔ جاڑوں کے شروع میں جب سرد ملکوں کے دن چھوٹے ہو جاتے ہیں اور اندھیرا جلد ہو جاتا ہے اور دانا پانی ملنا مشکل ہو جاتا ہے تو یہ چڑیاں وہاں سے نکل پڑتی ہیں ہمالیہ پہاڑ کے سرد اور برفانی حصے کی چڑیاں بھی وادیوں میں اتر آتی ہیں۔ یا دکن کے سپاٹ ملکوں میں دانے کی تلاش میں آجاتی ہیں۔

سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یورپ یا قطب شمالی کے پرندے سردی کے شروع ہوتے ہر سال اسی مہینے اور اسی تاریخ کو جمع ہو کر نکل پڑتے ہیں۔ اور اس ہجرت کی تاریخ اور مہینے میں کبھی فرق نہیں آتا۔ ان کی اڑان میں بے حد تنظیم اور قاعدہ ہوتا ہے۔ جیسے مقررہ وقت پر موسم بدلتے ہیں یا جیسے ستاروں کا رُخ بدلتا ہے، اسی طرح ان چڑیوں کے وطن چھوڑنے اور لوٹ آنے میں فرق نہیں ہوتا۔

مدتوں پہلے یورپ کے لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ آخر ہر سال ہمارے

ملک کی چڑیاں کہاں غائب ہو جاتی ہیں۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کسی جگہ سر گھسا کے سو جاتی ہیں۔ اور موسم بہار میں دوبارہ جاگ اٹھتی ہیں۔ ان چڑیوں کے وطن سے جانے اور لوٹ آنے کا وقت ایسا بندھا ٹکا تھا کہ قطبِ شمالی کے (سرخ ہندوستانی) Red Indians تو چڑیا کے لوٹ آنے کے دن سے اپنا کلنڈر شروع کرتے تھے۔

پھر جیسے جیسے یورپ والوں کا علم اور پرندوں میں دلچسپی بڑھتی گئی انہوں نے اس کا سراغ لگایا کہ یہ چڑیاں کہاں جاتی ہیں۔ اور کیوں جاتی ہیں۔ انھوں نے ان کے آنے جانے کی تاریخیں لکھیں۔ سفر پر جانے والوں نے دیکھا کہ سمندر کے چوڑے پاٹ پر سیاہ قطار چڑیوں کی جا رہی ہے۔ اور سب اُتر کے سرد ملکوں سے نکل کر دکن کے گرم ملکوں کی طرف عازم سفر ہیں۔ سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ اتنے دور کا راستہ ان کی سمجھ میں کیسے آجاتا ہے۔ نہ ان کے پاس کوئی نقشہ ہے نہ رہبری کا قطب نما۔ پھر ان کو راستہ کیسے معلوم ہو جاتا ہے؟ یہ ہر سال سائبیریا سے، الاسکا اور یورپ کے ملکوں سے ساتھ مل کر اڑتی ہیں۔ سفر میں سمندر پر پھیلے ہوئے وسیع پاٹ ملتے ہیں اُن پر سے بغیر رُکے ہوئے اڑ کر یہ گزر جاتے ہیں۔ گویا کبھی ان کی اڑان ہزار ڈیڑھ ہزار میل کی بھی ہو جاتی ہے۔ بے شک چڑیوں میں پرواز کی طاقت اور اُڑنے کی ہمت بہت ہے۔ ان کا جسم ان کے پروں کے اور کوٹ پر لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ ان کا خون گرم ہوتا ہے۔ اس لیے وہ سرد ہوا اور بارش میں بھی اڑتی چلی جاتی ہیں۔ اندازہ ہوتا ہے کہ پچاس یا ساٹھ میل فی گھنٹہ اڑتی ہیں۔ مگر راستہ میں کہیں بھی آرام لیتی ہیں یا نہیں۔ یہ ایک معمہ ہے۔ کیا راتوں کو تارے ان کی رہبری کرتے ہیں۔ یا دن میں آفتاب کی کرنیں ان کو گرم ملک کا راستہ دکھاتی ہیں کہ یہ اڑ کر ہندوستان آجاتی ہیں یا لنکا پہنچ جاتی ہیں۔ اور بہت سی جنوبی افریقہ چلی جاتی ہیں۔ اور ہر سال اسی جگہ پہنچتی ہیں جہاں پارسال جا کے اتری تھیں۔

امریکہ اور یورپ کے ماہرین نے چڑیوں کے چھوٹے بچوں کو گھونسلے ہی میں المونیم یا پلاسٹک کی چوڑی پہنا دی۔ جس پر اس کا وطن اور پیدائش کی تاریخ لکھ دی تھی اور گرم ملک کے ماہرین کو لکھ بھیجا۔ انہوں نے کھوج لگائی تو پتہ چلا کہ ہر سال پرندہ اسی ملک اور اسی جگہ آتا ہے۔ اور سردی ختم ہوتے ہی واپس اپنے وطن پہنچ کر ٹھیک اسی باغ، اسی درخت اور اسی شاخ پر جا بیٹھتا ہے۔ جہاں اس نے پچھلے سال

دھوم
Brownheaded Gull

گھونسلے بنا کے انڈے رکھے تھے۔ یہ ایک معمہ ہے کہ اس کو کس طرح یہ سب کچھ یاد رہتا ہے کہ وہ اس ملک سے نکلا تھا؟ اور معلوم ہوتا ہے کہ رات کو اڑنے والے پرندے رات کو ہی اڑتے ہیں۔ انھیں راستہ کیسے معلوم ہو جاتا ہے۔ اس کا کسی کو علم نہیں ہے۔ گرم ملک کا رخ کس طرح ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ یہ بھی معمہ ہے۔ کیا کوئی وجدانی طاقت ہے جو ادھر کھینچ لاتی ہے۔ اور گھونسلہ آباد کرنے کے زمانے میں یعنی شروع گرمی میں ان کو شادی کرنے کا شوق گدگداتا ہے۔ اور وہ اپنے وطن کو لوٹ جاتے ہیں۔ مگر اس گرم ملک میں جہاں اتنے روز مہمان رہے نہ گھونسلہ آباد کرتے ہیں اور نہ بچے نکالتے ہیں۔ کیا یہ سوچ بچار کر ایسا پلان بناتے ہیں۔ یا محض کوئی اندرونی کشش ہے جو وطن واپس لے جاتی ہے۔ کیا یہ بھی ایک وجدانی کیفیت ہے۔ یہ ایک ایسا معمہ ہے جس کو پرندوں کے ماہر ابھی تک حل نہیں کر سکے ہیں۔ سب سے دور مقام سے ہجرت کرنے والی قطب شمالی کی ایک سفید بطخ ہے جس کا نام Antictern ہے (سالم علی صاحب کی کتاب میں ہندوستانی Tern کا نام کرّی لکھا ہے) تو یہ قطب شمالی کی بطخ ہر سال سردیوں کے شروع میں وہاں سے نکل کر سیدھی قطب جنوبی کی گرم فضا میں اڑ کر آجاتی ہے۔ اتر سے جنوب تک کی اڑان میں وہ گیارہ ہزار میل کا راستہ طے کرتی ہے۔ اور واپسی پر پھر اسی قدر راستہ طے کر کے لوٹ آجاتی ہے۔ (یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ جس وقت قطب شمالی سرد ہوتا ہے اس وقت قطب جنوبی میں گرمی کا موسم ہوتا ہے) یہ Tern کبوتر کے برابر کا پرندہ ہر سال اتنی لمبی مسافت یعنی گیارہ ہزار میل جاتا ہے اور اتنے ہی میل لوٹ آتا ہے۔

مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے کہ جب پرندوں کی برادری یورپ سے نکلتی ہے تو سب سے آگے نئے کنولے بچے ہوتے ہیں۔ ان کے پیچھے مادہ چڑیاں اور سب سے پیچھے بزرگ پرندے ہوتے ہیں۔ اور واپسی میں یعنی وطن لوٹتے وقت یہ آرڈر الٹا ہوتا ہے یعنی بزرگ پرندے سب سے آگے نکل جاتے ہیں۔ اور مادہ چڑیاں ان کے پیچھے اور سب سے آخر میں کنولے پرندے ہوتے ہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ان کنولے پرندوں کی سمجھ میں راستہ کیسے آتا ہے؟ کیا گرم ملک کا رخ اور راستہ سمجھنا ان کے ورثہ میں آیا ہے جو وہ اسی ملک کو جاتے ہیں جہاں ان کے باپ دادا ہر سال جاتے رہے ہیں۔ ان کنولے دو یا تین مہینے کے بچوں کو اپنے اس سفر میں سمندر کے لمبے چوڑے پاٹ اور ہمالیہ کے

اونچے اونچے پہاڑ ملتے ہیں۔ اور وہ ان سب پر سے اڑتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔ نہ کوئی راستہ سے بھٹکتا ہے اور نہ کوئی قطار سے الگ ہوتا ہے۔ راستہ میں کبھی طوفانی ہوا ملتی ہے اور کبھی سخت بارش کا سامنا ہوتا ہے۔ اس وقت یہ راستہ کاٹ کے الگ ہو جاتے ہیں۔ اور پھر سب آگے قافلہ میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے کہ یہ فی گھنٹہ کتنے میل کی رفتار سے جا رہے ہیں۔ مگر قیاس کیا جاتا ہے کہ ۵۰ یا ۶۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جاتے ہوں گے۔ پھر اس کا بھی یقین نہیں کہ رات کو یہ قافلہ کہیں اترے گا یا تاروں کی چھاؤں میں اڑتا رہے گا۔ پھر اسی ملک اسی جگہ پہنچ جائے گا جہاں سے ہر سال آتا رہا ہے۔ کیا ان کے حافظہ پر اس ملک کی پہچان نقش ہے کہ ہر سال اسی مہینہ، اسی تاریخ کو موسم سرما گزارنے آجائیں گے۔

ایک گوریا کے برابر چڑیا ہے جس کا نام Grey Wagtail ہے۔ (ہندی نام پیلکیا ہے) جس کا پیٹ پیلا اور اوپر کے پر بھورے ہوتے ہیں۔ یہ چگتے وقت چلتی نہیں بلکہ دوڑ دوڑ کے چگتی ہے۔ ہر وقت اپنی دُم اوپر سے نیچے ہلاتی رہتی ہے۔ ہوا میں کیڑے پکڑتی ہے۔ ان کے پیچھے ادھر ادھر بل کھاتی ہوئی اڑتی ہے۔ اور تیزی سے جھپٹ کر اس کو پکڑ لیتی ہے۔ مگر اس کی دم ہمیشہ اوپر نیچے ہلتی رہتی ہے۔ گھونسلہ آباد کرنے کے زمانے میں نر بڑی مٹھاس سے گاتا ہے۔ یہ ہمالیہ کے پہاڑوں میں کشمیر سے پانچ ہزار سے بارہ ہزار فیٹ کی بلندی پر رہتی ہے۔ اور وہیں گھونسلہ بناتی ہے۔ مگر سردی کے زمانے میں پہاڑوں سے دور دور چلی جاتی ہے۔ اسی قسم کی ایک (Wagtail) ہے جس کے پاؤں میں چوڑی تھی ہر سال دو ہزار کلومیٹر اڑتی ہوئی بمبئی کے کسی چھوٹے سے باغ میں سردیوں میں آجاتی تھی۔ پانچ سال تک ستمبر کے مہینے میں اسی تاریخ کو اسی باغ میں آتی رہی اور گرمیوں کے شروع ہوتے ہی واپس چلی جاتی تھی۔ اس کے پاؤں کی چوڑی سے پہچانی جاتی تھی۔

اس سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ پرندوں کی ہجرت نہ صرف اتر کے ملکوں سے یوروپی ملکوں میں ہوتی ہے بلکہ نزدیک کے ملکوں ہمالیہ، بلوچستان اور افغانستان کے پہاڑوں سے بھی ہوتی ہے۔ گھونسلہ بنانے کے لیے جیسے ہی بہار کا موسم آتا ہے اور پہاڑوں پر برف پگھلنے لگتی ہے، یہ پرندے واپس ہو جاتے ہیں تاکہ اسی جگہ پر اپنا گھونسلہ بنائیں

جہاں ہر سال بناتے رہے۔

مسز لیئق علی اپنی انگریزی کتاب[1] میں ایک دلچسپ واردات لکھتی ہیں کہ ایک دفعہ ایسے ہی ہجرت کے زمانے میں ایک برفانی ملک کی بطخ سخت طوفان میں گھر گئی اور اپنے قافلے سے الگ ہو کر تھکان سے چور اور زخمی ہو کر انگلینڈ کے کنارے ایک لائٹ ہاؤس پر آکر گر گئی۔ لائٹ ہاؤس کے نگہبان نے اس کو اٹھا کے اس کی مرہم پٹی کی اور دیکھ بھال کرتا رہا۔ مگر جیسے ہی سردی ختم ہوئی اور بہار کا موسم شروع ہوا وہ بطخ اڑ کر واپس چلی گئی۔ غالباً اپنے وطن کو ہی گئی ہو گی۔ مگر دوسرے سال سردیوں کے شروع میں وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جاتے ہوئے اسی لائٹ ہاؤس پر پہنچ گئی۔ اور سردی کا زمانہ اپنے محسن اور مربی کے ساتھ گزار کر چلی گئی۔ پہلی دفعہ تو وہ اتفاقیہ طوفان میں گھر کے زخمی ہو کے گری تھی مگر دوسری بار وہ بخوشی وہاں چلی آئی۔ بلکہ تیسری دفعہ وہ اسی لائٹ ہاؤس پر آئی تو اسے مستقل اپنا گھر بنا لیا۔

سائنس کے جدید آلات نے بھی اس مسئلے کو حل کرنے میں بڑی مدد دی ہے۔ مثلاً Radar جو پانی کے جہاز اور ہوائی جہاز میں لگایا جاتا ہے اور جس وقت جہاز پانی میں جا رہا ہے یا ہوائی جہاز ہوا میں پرواز کر رہا ہے اس میں Radar کی مدد سے فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ کوئی دوسری چیز ہوا میں اڑ رہی ہے اور پھر آلے سے اس کا بھی پتہ لگتا ہے کہ کس رفتار سے وہ جا رہی ہے۔ اس طرح سے معلوم ہوا کہ مختلف قسم کے پرندوں کی رفتار الگ الگ ہوتی ہے۔ قاز اور بطخ کی رفتار ۴۰ میل فی گھنٹہ ہے۔ اگر ہوا اور موسم اچھا ہے تو ۶۰ میل تک اڑتی ہیں اور ۶ گھنٹے سے ۱۱ گھنٹے تک بغیر کہیں رکے اڑتی ہیں۔

یورپ کے ماہرین نے جال سے پکڑ پکڑ کے مختلف قسم کی چڑیوں کے بچوں کو الونیم کی چوڑیاں پہنا دیں۔ جس سے اس کا اندازہ ہونے لگا کہ یہ چڑیاں کہاں کی رہنے والی ہیں۔ کس طرف سے آئی ہیں۔ ٹھیبٹ اُتر سے آئی ہوئی چڑیاں جنوبی افریقہ چلی جاتی ہیں یا جاپان پہنچ جاتی ہیں۔

---

[1] "About Indian Birds" - Blackie & Sons Ltd.

ایک بٹیر کے برابر چڑیا ہے، جس کا نام Eastern golden Plover ہے (سالم علی) جو الاسکا اور سائبیریا سے ہر سال اڑ کر ہندوستان آتی ہے اس کی اڑان ۲۰۰۰ ہزار میل دریا پر سے کہیں رکے بغیر ہندوستان تک ہوتی ہے۔ یہ راستے میں کسی ملک میں رکتی ہوئی نہیں دیکھی گئی۔ اور یہ ہوائی جزیرے میں بھی دیکھی گئی۔ مشرقی Prassia سے ایک سفید بطخ۔ White Storke بلقان سے ہوتے ہوئے افریقہ چلی جاتی ہے۔

پچھلے زمانے میں گمان ہوتا تھا کہ یہ پرندے بہت اونچائی سے اڑتے ہوئے ہجرت کرتے ہیں۔ کیوں کہ اونچی فضا میں ہوا کا زور کم ہوتا ہے اور اونچان سے ان کو جانے پہچانے پہاڑ یا نشانات یاد آجاتے ہوں گے۔ اور ہوا کے زور سے بچ جانے کی اُمید بھی ہوتی ہو گی۔ مگر اب چھان بین سے معلوم ہوا ہے کہ چڑیاں ہجرت میں عموماً ۸۰۰ میٹر اوپر اڑتی ہیں اور کبھی کبھار ۹۰۰ میٹر اوپر بھی اڑنے لگتی ہیں۔ مگر بہت سی ایسی ہیں جو سمندر کی سطح سے بہت قریب اڑتی ہوئی جاتی ہیں۔ کیوں کہ ان کے سفر میں درخت وغیرہ حارج نہیں ہوتے۔ کوئی قبیلہ ساڑھے سات ہزار میٹر بلندی پر بھی اڑتا چلا جاتا ہے۔ اور بطخیں اور قازیں ہمالیہ کے پہاڑوں پر سے پانچ چھ ہزار میٹر اونچائی سے اڑتی ہوئی ہندوستان کی وادیوں میں پہنچ جاتی ہیں۔ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے والوں نے انہیں اونچی اونچی چوٹیوں پر سے اڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ پرندوں میں بھی طاقت ہے کہ جہاں ہوا کم ہو کر Ran field ہو جاتی ہے وہاں پر بھی یہ اڑتی ہوئی نکل جاتی ہیں۔

سر ایڈمنڈ ہلاری جس نے ایورسٹ کی چوٹی فتح کی اُس نے بھی اونچے پہاڑوں پر چڑھتے وقت کوے، گدھ اور دیوری Finch کو اوپر اپنے ساتھ ساتھ جاتے دیکھا ہے۔ اور ہر کیمپ پر ساتھ ساتھ دیکھا ہے۔

مختلف قسمیں

آٹھ ہزار چھ سو قسم کی چڑیاں دنیا بھر میں اب تک دیکھی گئی ہیں۔ اور چڑیوں کے ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ کوئی دو ہزار قسم کی چڑیاں ہمارے دیس میں بستی ہیں۔ جن میں پاکستان، برما اور لنکا بھی شامل ہیں۔ اور ساڑھے تین سو قسم کی وہ چڑیاں ہیں جو سردیوں میں مہمان بن کے عارضی طور پر اڑتی ہوئی آجاتی ہیں۔ سارا ہندوستان بھانت بھانت کے پرندوں سے مالا مال ہے۔

خطِ استوا کے ۳۰ ڈگری شمال اور ۳۰ ڈگری جنوب میں وہ خطہ ہے جس میں موسموں کے اختلاف اور زمین کی الگ الگ بناوٹ نے اسے ہر قسم کے پرندوں کے لیے موزوں بنایا ہے۔ ہمارے اتر کے پہاڑ ایسے ہیں جن پر ہر وقت برف جمی رہتی ہے۔ تو وہاں سے اترتے ہوئے پہاڑ اور وادیاں سرسبز درختوں سے لہرا رہی ہیں۔ اور پہاڑوں کی وادیاں، جھیل، تالاب اور نالوں سے ہر وقت سبزہ کو تروتازہ رکھتی ہیں۔ کہیں جنگل کی ہریالی ہے، کہیں دلدل ہے، کہیں چٹانیں ہیں۔ ایک طرف سندھ کے سوکھے ہوئے تپتے ہوئے صحرا ہیں تو دوسری طرف آسام میں کثرتِ بارش سے سدا ہرے رہنے والے جنگل ہیں۔ پورب پچھم میں جو گھاٹ ہیں ان کے کنارے میلوں تک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ ان کے کنارے کئی قسم کی بطخیں دور دور سے آکر سردیاں گزارتی ہیں۔ پورب میں نیل گری پہاڑوں کے گھنے ہرے جنگل اور سبزہ پرندوں کے لیے قدرتی بہشت ہے۔ دکن کی پتھریلی چٹانوں

میں دوسری قسم کے پرندے بستے ہیں۔ غرض کہ ہمارا دیش ان سب گوناگوں قدرتی باتوں سے پرندوں کے رہنے اور بسنے کے لیے بہت موزوں و سازگار ہے۔

جہاں بارشیں زیادہ ہوتی ہیں، گھنے جنگل ہریالی اور تالاب ہیں، وہاں سینکڑوں قسم کے کیڑے، مکوڑے، بھنورے اور سانپ، گرگٹ وغیرہ سب ہی کچھ پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہی سب چڑیوں کی اور ان کے بچوں کی غذا ہوتی ہے۔ اس لیے ایسے خطے میں بہت زیادہ پرندے بستے ہیں۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بڑی مضبوط قسم کی چڑیاں ملک کے سرد حصوں اور پہاڑی علاقوں میں بستی ہیں۔ اور چھوٹی قسم کی چڑیاں گرم حصوں میں رہتی ہیں۔ اور پہاڑی سرد حصوں میں رہنے والی چڑیاں بہت زیادہ انڈے دیتی ہیں بہ مقابلہ ان کے جو گرم حصوں میں بستی ہیں۔

صحرائی حصوں میں رہنے والی چڑیوں کے پر ہلکے اور پھیکے رنگ کے ہوتے ہیں۔ اور وہ ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے ماحول کے رنگ میں بالکل مل جاتے ہیں۔ اسی طرح زیادہ بارش ہونے والے گھنے جنگل میں بسنے والی چڑیوں کے پر گہرے رنگ کے اور رنگ برنگی ہوتے ہیں۔ گھنے جنگل میں بسنے والے مختلف ذات کے پرندوں کے پر بے حد خوبصورت ہوتے ہیں۔ اور برسات سے پہلے اُن کے پر اور بھی زیادہ خوب صورت بن جاتے ہیں۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ زیادہ برسات سے ہوا میں جو رطوبت ہوتی ہے اس کی وجہ سے رنگ گہرے ہو جاتے ہیں۔ شکر خورہ جو ہماری گھریلو چڑیا سے بھی چھوٹی ہوتی ہے، وہ جب ٹہنی پر پھدکتی ہے اور پھولوں کا رس چوستی ہے تو دھوپ میں اس کے پر چمکیلے اور خوش رنگ نظر آتے ہیں۔

انڈوں کے لیے کہا جاتا ہے کہ جن کے رنگ خوش نما ہوتے ہیں اُن پر داغ دھبے ہوتے ہیں، وہ ارتقا کی منزل میں سفید انڈوں سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ انڈوں کی رنگت اپنے ماحول کی فضا کی جھاڑی اور پتوں سے ملی جُلی ہوتی ہے تاکہ دشمن کی نظر سے محفوظ رہیں۔ قدرت کی کاری گری سے چڑیا جس جگہ پر انڈے دیتی ہے اس کا رنگ اسی موقعہ کے ماحول میں گھل مل جاتا ہے۔ جیسا کہ بٹیر کے انڈے جو جھاڑی میں زمین پر دیتی ہے اور دور سے ان کا نظر آنا ناممکن ہے۔ ایسے

سنہری جل کپوت

Bronze Winged Jacana

ہی ٹٹوری Lapwing جو اپنے انڈے کھلی زمین پر رکھ دیتی ہے۔ مگر وہاں کے ماحول یعنی سوکھی جھاڑیاں اور مٹی کے رنگ میں ان کا رنگ ایسا مل جاتا ہے کہ جب تک ایک فٹ قریب نہ جائے نظر ہی نہیں آتا۔ تو یہ انڈوں کی رنگت اور ان کے داغ دھبے ان کی حفاظت کے لیے مددگار ہوتے ہیں۔ مگر ایسی چڑیاں جن کے گھونسلے محفوظ جگہ پر بنے ہوتے ہیں، ان کے انڈے سفید، چکنے اور چمک دار ہوتے ہیں۔ جیسے کہ الو، طوطے، اور کٹھ پھوڑیے۔ کے انڈے جو درختوں کے پرانے سوراخوں یا پہاڑوں کے درزوں میں ہوتے ہیں۔ یا جیسا کہ چھوٹا کلکلا King fisher جو منی چڑیا کے برابر ہوتا ہے۔ اور ندی یا گیلی مٹی میں کھود کے چار فٹ چوڑی سرنگ بناتا ہے۔ اور اس میں چار پانچ انڈے رکھتا ہے۔ جو بالکل سفید چکنے اور چمک دار ہوتے ہیں۔ شائد اندھیرے میں آسانی سے نظر آسکتے ہیں۔ اکثر چڑیاں سال میں ایک دفعہ انڈے دیتی ہیں۔ مگر کچھ ایسی بھی ہیں جو سال میں دو یا تین دفعہ انڈے دیتی ہیں۔ جیسے تیتر، جنگلی مرغی۔ کسی چڑیا کے ایک ہی انڈا ہوتا ہے۔ مثلاً راج گدھ کا ایک ہی سفید چکنا انڈا ہوتا ہے۔ اور معمولی گدھ کا بھی ایک ہی سفید چکنا انڈا ہوتا ہے۔ مگر اس پر بھورے چھینٹے ہوتے ہیں۔ کسی چڑیا کے دو، کسی کے چار، باز کے گھونسلے میں ایک سے چار تک انڈے پائے گئے ہیں۔ بطخ کے ۵ سے ۱۶ تک انڈے دیکھے گئے ہیں۔

ماں باپ انڈوں کو باری باری سیتے ہیں۔ اپنے پیٹ کے نیچے دبا کے گرمی پہنچاتے ہیں۔ کسی چڑیا کے انڈے گیارہ دن میں پھوٹ کے بچے نکل آتے ہیں۔ اور کسی بڑی چڑیا کے اسّی دن کے بعد بچہ باہر آتا ہے۔ پھر ماں باپ بچوں کے لیے پچاسوں بار جا جا کے کھلانا لاتے ہیں۔ اور بڑی محنت سے ڈھونڈ ڈھونڈ کے کیڑے کھلا کے بچوں کو اتنا بڑا بناتے ہیں کہ وہ اپنی غذا خود جا کر ڈھونڈ لیں۔ کبوتر اپنے منہ میں دانہ لے کر اس کو تھوک سے آدھا نرم کر کے اس طرح اپنے بچوں کو کھلاتا ہے کہ چھوٹا بچہ ماں کی چونچ میں اپنی چونچ گھسا کے وہ نرم کھانا اور ماں کے منہ کا رس چوس لیتا ہے۔ غرض کہ چڑیا بھی بڑی محنت سے اپنے بچوں کو پالتی ہے۔ بہت سی چھوٹی چڑیوں کے بچے جب انڈوں سے باہر نکلتے ہیں تو ان کی آنکھیں بند ہوتی ہیں۔ اور نرم نرم گوشت کا لوتھڑا ہوتے ہیں۔ اور کچھ دنوں کے بعد ان کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ مگر بطخ، مرغی اور Plover کے بچے جن کا نام سالم علی صاحب

نے چھوٹا بتاں بتایا ہے اور دوسرے بہت سے شکاری پرندوں کے بچوں کی آنکھیں انڈوں سے باہر آتے ہی کھل جاتی ہیں۔ بلکہ بطخ کے بچے جن کے چھوٹے چھوٹے پر بھی ہوتے ہیں انڈوں سے باہر نکلتے ہی خود بخود ڈھک کر تیرنے لگتے ہیں اور خوراک تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ بطخ کا گھونسلہ ندی کے کنارے کسی درخت کی نچلی ڈال پر ہوتا ہے۔ وہ پانی سے ذرا اونچا اپنا گھونسلا اس لیے بناتی ہے کہ اگر ندی کا پانی بارش سے اونچا ہو جائے تو گھونسلہ ڈوبنے سے محفوظ رہے۔

انسان کو ہمیشہ سے چڑیا کو دیکھنے اور اس کی چہچہاہٹ سننے کا شوق رہا ہے۔ اس لیے وہ ان کو پکڑ کے پنجرے کے اندر بند کر دیتا ہے۔ مگر اس طرح سے قید ہو کے وہ غریب اپنا گانا اور چہچہے سب بھول جاتی ہے۔ چڑیا کا لطف تو آپ اس کی آزاد زندگی میں اٹھائیے۔ یعنی باغوں، جنگلوں اور پیڑوں کے جھنڈ ہیں سے اڑتے ہوئے اور پھدکتے ہوئے۔ بہت سے پرندے منہ اندھیرے اٹھ کے چہچہانے لگتے ہیں اور اپنی غذا کی تلاش میں اس ٹہنی سے اُس ٹہنی پر پھدکتے رہتے ہیں۔ دوپہر ڈھلنے کے بعد ان کا شور پھر شروع ہو جاتا ہے۔ چڑیوں کے ماہر کہتے ہیں کہ ہم کو بچوں میں بچپن سے شوق پیدا کرنا چاہیئے کہ وہ فرصت کے وقت بیٹھ کے پرندوں کا لطف اٹھائیں۔ شروع برسات میں جب برگد اور پیپل کے پیڑوں پر لال لال بیریاں نکل آتی ہیں تو اس وقت ہر قسم کی چڑیاں اس پر شور مچاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہ زمانہ چڑیوں کے شوقینوں کے گھومنے کے لیے بہت بار آور ہوتا ہے۔ اگر آپ کے گھر میں چمن ہے یا درختوں کا کنج ہے تو وہاں بہت سا دانہ بکھا دیجیے اور دور بیٹھ کے تماشا دیکھیے۔

یورپ اور انگلستان میں جا بجا چڑیوں کے باغ کو پناگاہیں بنا رکھا ہے۔ یعنی ان کا شکار اس جگہ منع ہے۔ نہ کوئی ان کو پکڑ سکتا ہے اور جگہ جگہ کے اسکول کے بچوں کو وہاں لے جا کر صرف چڑیوں کو دیکھنے اور ان کا مطالعہ کرنے کا شوق دلایا جاتا ہے۔ ان ملکوں میں قاعدے قانون بنا دیے گئے ہیں جن سے چڑیوں کا شکار جرم قرار دیا گیا ہے۔ اور اب تو وہاں ایک فیشن ہو گیا ہے کہ چھٹی کے دن بڑے چھوٹے سب نکل جاتے ہیں کہ ندی، تالاب، جنگل یا باغوں میں فقط چڑیوں کا تماشا دیکھیں۔ بعض لڑکے تو کاپیاں پنسل لے جا کر چڑیوں کے بارے میں جو کچھ بھی دیکھا ہے لکھ لیتے ہیں۔

باز کالا باز

Black Ibis

ہمارے ملک میں اس کی بڑی ضرورت ہے کہ پرندوں کی حفاظت کے لیے قانون بنائے جائیں اور بہت سے کنج، باغات، تالاب اُن کے لیے محفوظ کرکے پناہ گاہیں بنا دی جائیں تاکہ اسکول، کالج کے لڑکے لڑکیاں وہاں جاکر بے دھڑک پرندوں کا تماشا دیکھیں۔ مجھے خود ایک باغ دیکھنا ہے جہاں مور نڈر ہوکر گھوم رہے ہوں یا ناچ رہے ہوں۔

آخر میں صرف کوّے کی ایک واردات لکھ کے ختم کرتی ہوں۔ کوّا جو کہ انسان کا بہت قدیم دوست و ہمدم ہے۔ آپ کہیں گے کوے کو کون نہیں جانتا۔ بے چارہ سب کی جوتیاں کھانے والا، بے غیرت، چالباز، شور مچانے والا، پچاس دفعہ ہنکاؤ پھر آموجود ہوتا ہے مگر یہ آدمی کی ہمدمی میں ہمیشہ رہتا ہے۔ کہتے ہیں کہ کسی صحرا میں ایک آدمی کا جھونپڑا ہو تو وہاں بھی ایک کوّا ضرور ملے گا۔ یہ ہر وقت شور مچاتا رہتا ہے۔ اور ضرورت بے ضرورت کائیں کائیں کرتا رہتا ہے۔ اور تاک میں رہتا ہے کہ گھر والی کی آنکھ بچے تو آٹے کا پیڑا اٹھا لے۔

گاؤں تو گاؤں بمبئی شہر میں بھی انسانوں سے زیادہ بستی کوّوں کی نظر آتی ہے۔ یہ نہ اونچی بلڈنگوں سے گھبراتے ہیں نہ سڑک کی بھیڑ بھاڑ سے اور موٹروں کے شور سے۔ کھڑکی پر بیٹھ کے اندر جھانکتے رہتے ہیں۔ موقعہ پاکر میز پر مکھن دانی اپنی چونچ سے کھول ڈالتے ہیں اور چونچ میں مکھن بھر کے اڑ جاتے ہیں۔

ان سب باتوں کے باوجود کوّا بہت کارآمد پرندہ ہے۔ گلیوں، نالیوں کو صاف کرتا ہے۔ کوڑے پر سے مری ہوئی مرغی کی ٹانگ، گندے انڈے، مرے ہوئے چوہے سب اٹھالے جاتا ہے۔ مگر اس کے سوا یہ موذی معصوم چڑیوں کے انڈے اور ننّے بچے بھی کھا جاتا ہے۔ مگر تعجب کی بات تو یہ ہے کہ یہ اتنا بڑا شاطر پرندہ ہوتے ہوئے بھی کوئل کی چالاکی سے دھوکا کھا جاتا ہے۔

ایک شہری کوا ہوتا ہے اور ایک جنگلی جو شہری سے زیادہ کالا ہوتا ہے اور قدرے بڑا بھی ہوتا ہے۔ یہ جنگل میں بستا ہے۔

کوّا بڑا سماجی قسم کا پرندہ ہے۔ شام ہوتے ہی سب کوّے ایک ہی درخت پر جمع ہو جاتے ہیں اور وہیں سو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ صبح کے دس بجے سورج گہن لگا اور اندھیرا چھا گیا۔ کوّے سمجھے رات ہو گئی۔

ہر طرف کائیں کائیں کرتے ہوئے اسی درخت پر جمع ہو گئے جہاں رات گزارتے تھے۔ مگر ابھی اپنے پروں میں سر ڈال کے سونے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ سورج پھر چمکنے لگا۔ اور کوّے پر جھاڑ کے یہ کہتے ہوئے اڑ گئے کہ "یہ ہم سے مذاق کون کر رہا ہے؟"

ہر طرف کائیں کائیں کرتے ہوئے اسی درخت پر جمع ہوگئے جہاں رات گزارتے تھے۔ مگر ابھی اپنے پروں میں سر ڈال کے سونے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ سورج پھر چمکنے لگا۔ اور کوّے پر جھاڑ کے یہ کہتے ہوئے اڑ گئے کہ "یہ ہم سے مذاق کون کر رہا ہے؟"

مطبوعاتِ ترقی اُردو بورڈ

کتاب	مصنف	قیمت
تاریخ فلسفۂ اسلام	ٹ۔ ج۔ دوبور۔ ترجمہ ڈاکٹر سید عابد حسین	۷/۵۰
تاریخ تمدنِ ہند	پروفیسر محمد مجیب	۱۲/۰۰
ہمارا قدیم سماج	سید سخی حسن	۱۰/۰۰
انقلاب ۱۸۵۷ء	مرتبہ: پی۔ سی۔ جوشی	۱۴/۷۵
لسانی مطالعے	ڈاکٹر گیان چند جین	۱۲/۵۰
تاریخ فلسفۂ سیاسیات	پروفیسر محمد مجیب	۱۸/۰۰
چراغ کا سفر	سید محمد ٹونکی	۱/۵۰